شرح
العقيدة الطحاوية

تالیف:

مولانا حضرت **فیض الرحمن العثمانی** رحمۃ اللہ علیہ

المؤسس
لمعهد العلوم الإسلاميه بإسلام آباد

شرح العقیدۃ الطحاویۃ

تالیف:
حضرت مولانا فیض الرحمن العثمانی رحمۃ اللہ علیہ
موسس ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد

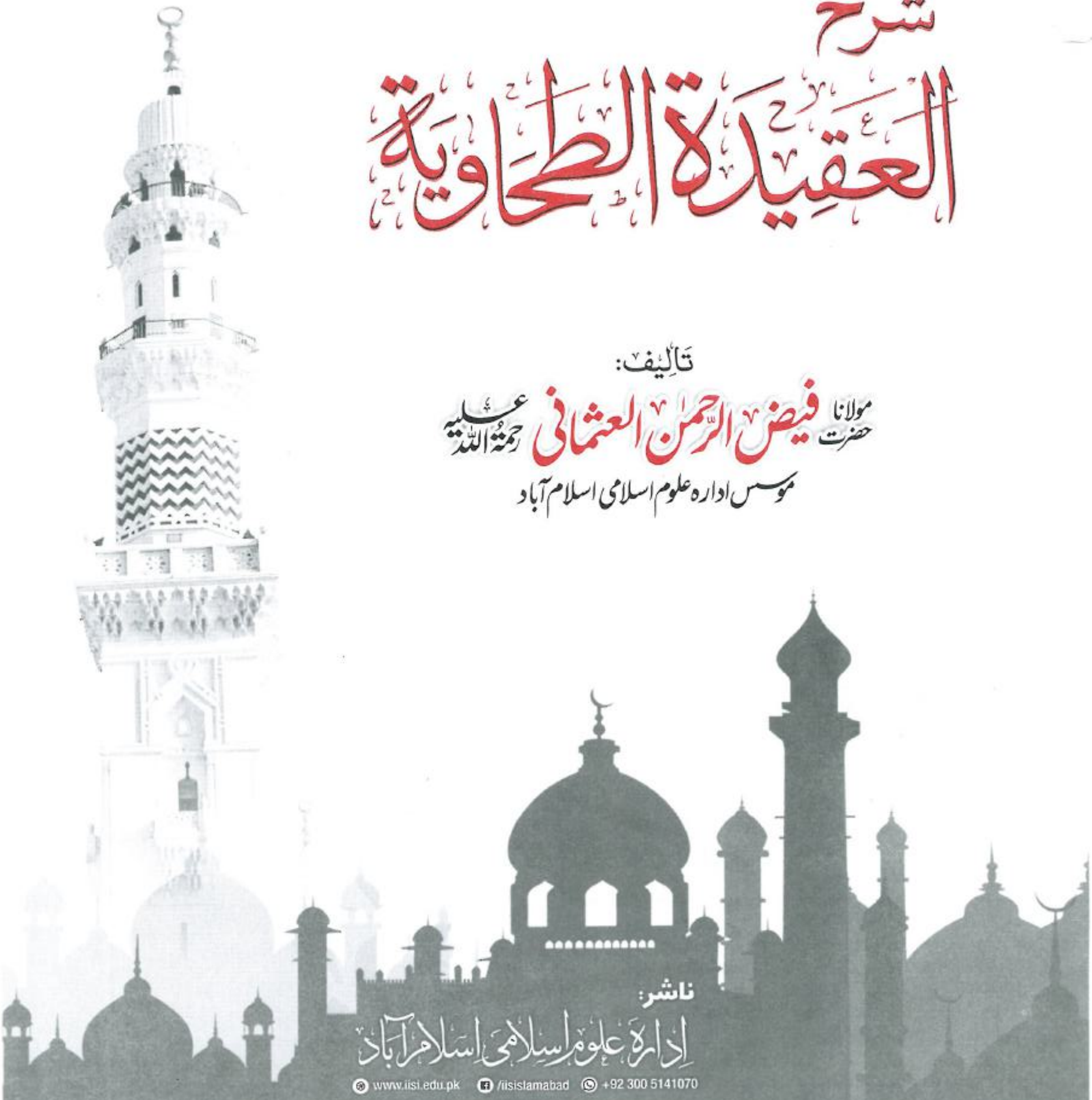

ناشر:
ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد
www.iisi.edu.pk /iisislamabad +92 300 5141070

جمیع الحقوق محفوظة

سن طباعت: ———— ۲۰۲۲

تعداد: ———— ۶۰۰

یطلب من المعهد

0311-6050645

و یطب ایضا من: مکتبة الریاض

بھارہ کوہ، اسلام آباد

0300-5141070

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
08	حالاتِ مصنف
09	مقدمہ
10	توحید
10	عقیدہ نمبر 01: إِنَّ اللّٰهَ وَاحِدٌ.......
11	توحید کی اقسام
12	شرک. شرک کی اقسام
13	عقیدہ نمبر02: وَلَا شَيْءَ مِثْلُهُ ....
13	عقیدہ نمبر03: وَلَا شَيْءَ يُعْجِزُهُ .
14	عقیدہ نمبر04: وَلَا إِلٰهَ غَيْرُهُ.
14	عقیدہ نمبر05: قَدِيْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ.......
14	عقیدہ نمبر06: لَا يَفْنَى وَ لَا يَبِيْدُ.
14	عقیدہ نمبر07: وَلاَ يَكُوْنُ إِلَّا مَا يُرِيْدُ.
15	عقیدہ نمبر08: لَا تَبْلُغُهُ الْأَوْهَامُ.......
15	عقیدہ نمبر09: وَلَا يُشْبِهُهُ الْأَنَامُ.......
16	عقیدہ نمبر10: حَيٌّ لَا يَمُوْتُ.......
16	عقیدہ نمبر11: خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ،.......
17	عقیدہ نمبر12: مُمِيْتٌ بِلاَ مَخَافَةٍ.......
18	عقیدہ نمبر13: مَا زَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيْمًا.......

عقیدہ نمبر14: لَيْسَ بَعْدَ خَلْقِ الخَلْقِ	18
عقیدہ نمبر15: ذٰلِكَ بِأَنَّهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	19
عقیدہ نمبر16: خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهِ.	19
عقیدہ نمبر17: وَقَدَّرَ لَهُمْ أَقْدَارًا.	19
عقیدہ نمبر18: وَ ضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا.	20
عقیدہ نمبر19: وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ	21
عقیدہ نمبر20: وَأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ	21
عقیدہ نمبر21: وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِىْ بِتَقْدِيْرِهِ	21
عقیدہ نمبر22: يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ	22
عقیدہ نمبر23: وَ كُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيْئَتِهِ	23
عقیدہ نمبر24: وَ هُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ	23
عقیدہ نمبر25: لَا رَادَّ لِقَضَاءِهِ	24
عقیدہ نمبر26: آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهِ	24
عقیدہ نمبر27: وَإِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى	25
عقیدہ نمبر28: وَإِنَّهُ خَاتَمُ الأَنْبِيَاءِ	25
عقیدہ نمبر29: وَكُلُّ دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَهُ فَغَيٌّ	27
عقیدہ نمبر30: وَ هُوَ الْمَبْعُوثُ إِلَى عَامَّةِ الْجِنِّ	27
عقیدہ نمبر31: وَ إِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ	28
عقیدہ نمبر32: وَ مَنْ وَصَفَ اللهَ بِمَعْنًى	29
عقیدہ نمبر33: وَ الرُّؤْيَةُ حَقٌّ	30

عقیدہ نمبر34: وَ لَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا	32
عقیدہ نمبر35: وَ لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ	33
عقیدہ نمبر36: تَعَالىٰ عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَايَاتِ	35
عقیدہ نمبر37: وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ	37
عقیدہ نمبر38 وَالْحَوْضُ الَّذِيْ أَكْرَمَهُ	39
عقیدہ نمبر39: وَالشَّفَاعَةُ الَّتِيْ ادَّخَرَهَا	40
عقیدہ نمبر40: وَالْمِيثَاقُ الَّذِيْ أَخَذَهُ	41
عقیدہ نمبر41: وَ قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالىٰ	41
عقیدہ نمبر42: وَ كَذٰلِكَ أَفْعَالُهُمْ	42
عقیدہ نمبر43: وَ أَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللّٰهِ	43
عقیدہ نمبر44: فَهٰذَا جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ	44
عقیدہ نمبر45: وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ	45
عقیدہ نمبر46: وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ	46
عقیدہ نمبر47: وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ.	47
عقیدہ نمبر48: وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ	48
عقیدہ نمبر49: مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ	48
عقیدہ نمبر50: وَنَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ	49
عقیدہ نمبر51: وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ	50
عقیدہ نمبر52: وَنُسَمِّيْ أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِيْنَ	50
عقیدہ نمبر53: وَلَا نَخُوْضُ فِيْ اللّٰهِ	51

عقیدہ نمبر54: وَلَا نُجَادِلُ فِيْ الْقُرآنِ،	51
عقیدہ نمبر55: وَ لَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ	51
عقیدہ نمبر56: وَلَا نَقُولُ:لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيْمَانِ ذَنْبٌ لِ	52
عقیدہ نمبر57: وَ نَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	52
عقیدہ نمبر58: وَالْأَمْنُ وَالْإِيَاسُ يَنْقُلَانِ	53
عقیدہ نمبر59: وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيْمَانِ إِلَّا	54
عقیدہ نمبر60: وَالْإِيْمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ	54
عقیدہ نمبر61: وَ أَنَّ جَمِيْعَ مَا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ	54
عقیدہ نمبر62: وَالْإِيْمَانُ وَاحِدٌ،	54
عقیدہ نمبر63: وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ	55
عقیدہ نمبر64: وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِيْمَانُ بِاللهِ	56
عقیدہ نمبر65: وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِكَ كُلِّهِ	58
عقیدہ نمبر66: وَأَهْلُ الْكَبَائِرِ فِيْ النَّارِ لَايُخَلَّدُوْنَ	59
عقیدہ نمبر67: وَنَرَى الصَّلَاةَ	61
عقیدہ نمبر68: وَلَا نُنْزِلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً	62
عقیدہ نمبر69: وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلَى أَحَدٍ	62
عقیدہ نمبر70: وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا	63
حکمران کے خلاف خروج (مسلح کارروائی)	64
حکمران کی اطاعت اور اس کی حدود	65
عقیدہ نمبر71: وَنَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ	66

عقیدہ نمبر72: وَ نُحِبُّ أَهْلَ الْعَدْلِ	67
عقیدہ نمبر73: وَنَقُوْلُ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ	67
عقیدہ نمبر74: وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ	68
عقیدہ نمبر75: وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ فَرْضَانِ	68
عقیدہ نمبر76: وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ	69
عقیدہ نمبر77: وَ نُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ	69
عقیدہ نمبر78: وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ وَ نَعِيْمِهِ (عَذَابُ الْقَبْر)	70
عقیدہ نمبر79: وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ (بعث، نامہ اعمال، وزنِ اعمال، پل صراط)	73
عقیدہ نمبر80: وَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ	74
عقیدہ نمبر81: وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ	74
عقیدہ نمبر82: وَالِاسْتِطَاعَةُ الَّتِيْ يَجِبُ	74
عقیدہ نمبر83: وَأَفْعَالُ الْعِبَادِ خَلْقُ اللّٰهِ	75
عقیدہ نمبر84: وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَّا	75
عقیدہ نمبر85: وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ	76
عقیدہ نمبر86: وَفِيْ دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ (ایصالِ ثواب)	76
عقیدہ نمبر87: وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَسْتَجِيْبُ الدَّعَوَاتِ	77
عقیدہ نمبر88: وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ	77
عقیدہ نمبر89: وَاللّٰهُ يَغْضَبُ وَيَرْضَى	77
عقیدہ نمبر90: وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ	78
عقیدہ نمبر91: وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ	80

عقیدہ نمبر92: وَأَنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ الله ﷺ	83
عقیدہ نمبر93: وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ الله ﷺ	84
عقیدہ نمبر94: وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِينَ	85
عقیدہ نمبر95: وَلَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ	86
عقیدہ نمبر96: وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ (معجزہ،کرامت،استدراج)	86
عقیدہ نمبر97: وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ	87
علاماتِ قیامت	88
ظہورِ مہدی رضی اللہ عنہ	88
خروجِ دجّال	89
نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	89
سورج کا مغرب سے طلوع ہونا	90
خروجِ دابّہ	90
یاجوج وماجوج	90
عقیدہ نمبر98: وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا	91
عقیدہ نمبر99: وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا	91
عقیدہ نمبر100: وَدِينُ الله فِي السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَاحِدٌ	92
عقیدہ نمبر101: وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيْرِ	92
عقیدہ نمبر102: فَهَذَا دِيْنُنَا وَاعْتِقَادُنَا	93
خاتمہ	93
فرقوں کا تعارف	93

عقیدہ طحاویہ کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

نام ونسب: احمد بن محمد بن سلامہ بن سَلَمہ بن عبد الملك بن سلَمہ بن سُلَیم بن سلیمان

کنیت: ابو جعفر نسبت: اَزدی، طَحاوی، وَرَّاق،

پیدائش: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مصر کے جنوبی علاقہ "صعید" میں 239ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہوش سنبھالا تو حصول علم کے لیے شمالی مصر کا سفر اختیار کیا اور وہاں اپنے ماموں، مشہور شافعی المذہب فقیہ ابو ابراہیم اسماعیل بن یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی مگر جوں جوں اس انتہائی ذہین شاگرد کا مطالعہ بڑھتا گیا توں توں شافعی مذہب کے بعض استدلالات کے بارے میں یہ غیر مطمئن ہوتے گئے اور ان کے استاد امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحتیں بھی انہیں مطمئن نہ کر سکیں، چنانچہ یہ عدم اطمینان امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں انقلاب کا سبب بنا۔

ایک اور بڑا سبب ان کی رائے میں تبدیلی کا یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے امام المزنی رحمۃ اللہ علیہ کو مشکل مسائل میں احناف کی کتابوں کی طرف کثرت سے رجوع کرتے اور بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے پایا، امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے جن مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو اختیار کیا ہے ان کو اپنی کتاب "مختصر المزني" میں جمع کیا ہے۔ انہیں اسباب کی بنا پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، احناف کی کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کے اصول استدلال کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے جس کے نتیجے میں انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے کو اپنایا اور احناف کے بڑے علماء میں ان کا شمار ہونے لگا۔

تصانیف: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "العقيدة الطحاوية" کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کی تعداد تیس (30) سے زیادہ ہے۔

وفات: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے 321ھ میں 82 سال کی عمر میں وفات پائی۔

علمی مقام: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "لسان الميزان" میں، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاريخ كبير" میں اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البداية والنهاية" میں نہایت شاندار الفاظ میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بلند علمی مرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْعَلَّامَةُ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ أَبُوْ جَعْفَرٍ الْوَرَّاقُ الطَّحَاوِيُّ بِمِصْرَ رَحِمَهُ اللهُ:

هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ عَقِيْدَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى مَذْهَبِ فُقَهَاءِ الْمِلَّةِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ الْكُوْفِيِّ وَ أَبِيْ يُوْسُفَ يَعْقُوْبَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ الْأَنْصَارِيِّ وَ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيِّ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ وَ مَا يَعْتَقِدُوْنَ مِنْ أُصُوْلِ الدِّيْنِ وَ يَدِيْنُوْنَ بِهِ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: حجۃ الاسلام ابو جعفر ورّاق طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں ارشاد فرمایا کہ یہ (آنے والی بحث)، فقہائے ملت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہم کے مذہب کے مطابق، اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کا بیان ہے اور ان اصول دین کا بیان ہے جن کا (یہ ائمہ کرام پختہ) عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے مطابق رب العلمین کی فرمانبر داری کرتے تھے۔

- ''قَالَ العَلَّامَةُ حُجَّةُ الإِسْلَامِ أَبُو جَعْفَرٍ الوَرَّاقُ الطَّحَاوِيُّ بِمِصْرَ رَحِمَهُ الله'' یہ عبارت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کی ہے، وہ اپنے استاد کی تقریر نقل کر رہے ہیں۔
- ''السُّنَّة'': اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے جس کو سنت کہا جاتا ہے۔
- ''الجماعة'': یہاں ''جماعت'' سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے۔
- جو لوگ اللہ کی کتاب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقوں پر عمل کریں وہ ''اہلُ السنۃ والجماعۃ'' کہلاتے ہیں۔
- ''هٰذَا ذِكْرُ بَيَانِ.....عَلَى مَذْهَبِ فقَهَاءِ المِلَّةِ'': اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس کتاب میں ذکر کیے گئے عقائد فقہائے ملت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، اور ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی کے مذہب کے مطابق ہیں۔ یہ تینوں حضرات حنفیہ کے بڑے فقہاء میں سے ہیں۔
- فقہائے احناف کے ذکر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بقیہ اہلِ سنت کے یہ عقائد نہیں، باقی ائمہ اہل سنت کے بھی یہی عقائد ہیں، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حنفی ہیں اس لیے فقہائے احناف کا ذکر فرمایا۔

اَلتَّوْحِيْد

نَقُوْلُ فِيْ تَوْحِيْدِ اللهِ مُعْتَقِدِيْنَ بِتَوْفِيْقِ اللهِ:

ترجمہ: ہم اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے اللہ کی توحید کے بارے میں یہ کہتے ہیں:

1- إِنَّ اللهَ وَاحِدٌ ، لَا شَرِيْكَ لَهُ.

ترجمہ: یقیناً اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

تشریح

- مذکورہ بالا عبارت میں عقیدۂ توحید کا بیان اور شرک کا ردّ ہے۔

توحید

- ''توحید'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کو اس کی ذات، صفات اور عبادت کا مستحق ہونے میں دل سے ایک مانا جائے اور ان باتوں میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھا جائے۔
- توحید، دینِ اسلام کا وہ بنیادی عقیدہ ہے جسے بندوں کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالی نے تمام پیغمبر بھیجے۔ اس لیے ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو اس کی دعوت دی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: 36]

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت[1] سے اجتناب کرو۔

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْٓ إِلَيْهِ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الأنبياء: 25]

ترجمہ: اور تم سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس پر ہم نے یہ وحی نازل نہ کی ہو کہ: میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا میری عبادت کرو۔

---

[1] كُلُّ مَاعُبِدَمِنْ دُوْنِ اللهِ فَهُوَ طَاغُوْت. ''اللہ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے''۔شرح النووی علی المسلم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوتِ توحید کا ذکر کیا ہے:

دعوتِ نوح: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [الأعراف: 59]

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا۔ چنانچہ انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

دعوتِ ہود: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [هود: 50]

ترجمہ: اور قوم عاد کے پاس ہم نے ان کے بھائی ہود کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

دعوتِ شعیب: ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [هود: 84]

ترجمہ: اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

توحید کی اقسام

علمائے اہلُ السنۃ والجماعۃ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں توحید کی درج ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں:

١ تَوْحِيْدُ الْعِبَادَة ٢ تَوْحِيْدُ الرُّبُوْبِيَّة ٣ تَوْحِيْدُ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَات

تَوْحِيْدُ الْعِبَادَة

- "تَوْحِيْدُ الْعِبَادَة" کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق سمجھا جائے اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ مانا جائے۔
- اس کو "تَوْحِيْدُ الْأُلُوْهِيَّة" بھی کہتے ہیں۔

تَوْحِيْدُ الرُّبُوْبِيَّة

- "تَوْحِيْدُ الرُّبُوْبِيَّة" کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو "ربّ" سمجھا جائے، یعنی اس کے افعال میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا جائے۔ مثلاً یہ کہ اللہ ہی پیدا کرتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وغیرہ۔

تَوْحِيْدُ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَات

- "تَوْحِيْدُ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَات" کا معنی یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے جتنے نام اور جتنی صفات آئی ہیں صرف اللہ ہی کو ان کا مستحق سمجھا جائے اور ان میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ مانا جائے، مثلاً صرف اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور عالم الغیب وغیرہ سمجھا جائے۔

شرک

- "شرک" کا معنی: اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا عبادت کا مستحق ہونے میں کسی اور کو بھی اس کا شریک سمجھنا۔
- "شرک" گناہِ کبیرہ اور ناقابلِ معافی ہے۔

شرک کی اقسام

"شرک" کی تین اقسام ہیں:

[١] اَلشِّرْكُ فِيْ الْعِبَادَة [٢] اَلشِّرْكُ فِيْ الرُّبُوْبِيَّة [٣] اَلشِّرْكُ فِيْ الْأَسْمَاءِ وَ الصِّفَات

اَلشِّرْكُ فِيْ الْعِبَادَة

- "اَلشِّرْكُ فِيْ الْعِبَادَة" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت کا لائق سمجھا جائے، جیسے مشرکینِ عرب بتوں کو بھی عبادت کا مستحق سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔

اَلشِّرْكُ فِيْ الرُّبُوْبِيَّة

- "اَلشِّرْكُ فِيْ الرُّبُوْبِيَّة" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے افعال میں اس کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک مانا جائے، مثلاً اللہ کے علاوہ کسی اور کو بھی خالق، رازق وغیرہ سمجھا جائے۔

اَلشِّرْكُ فِيْ الْأَسْمَاءِ وَ الصِّفَات

- "اَلشِّرْكُ فِيْ الْأَسْمَاءِ وَ الصِّفَات" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ناموں یا صفات میں اس کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک مانا جائے، مثلاً اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو اس کی طرح قادر یا عالم الغیب سمجھا جائے۔

2- وَلَا شَيْءَ مِثْلُهُ.

ترجمہ: اور کوئی چیز اس (اللہ تعالیٰ) جیسی نہیں۔

تشریح

- اللہ تعالی جیسی کوئی چیز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات، صفات اور افعال میں کوئی اس کے مشابہ نہیں ہے۔
- یہ عقیدہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ [الشورى: 11]

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔

3- وَلَا شَيْءَ يُعْجِزُهُ.

ترجمہ: اور کوئی چیز اس (اللہ تعالیٰ) کو عاجز نہیں کر سکتی۔

تشریح

- اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اس لیے کہ کسی کام کے کرنے سے کوئی دو وجہ سے عاجز ہوتا ہے:

اسے اس کام کا علم نہ ہو۔ اس میں وہ کام کرنے کی قدرت نہ ہو۔

چونکہ اللہ کا علم اور قدرت دونوں کامل ہیں، اس لیے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ [فاطر: 44]

ترجمہ: اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں یا زمین کی کوئی چیز اسے عاجز کر سکے۔ بے شک وہ علم و قدرت کا مالک ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [البقرة: 20]

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [بقرة: 231]

ترجمہ: اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

4- وَلَا إِلٰهَ غَيْرُهُ.

ترجمہ: اور اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں۔

تشریح

- حقیقی معبود صرف اللہ تعالی ہے، لوگوں نے اللہ کے علاوہ جن چیزوں کو معبود قرار دیا ہے وہ سب باطل ہیں۔

5- قَدِيْمٌ بِلَا ابْتِدَاءٍ ، دَائِمٌ[1] بِلَا انْتِهَاءٍ.

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) ہمیشہ سے ہے، (اس کی) کوئی ابتدا نہیں، ہمیشہ رہنے والا ہے، (اس کی) کوئی انتہا نہیں۔

تشریح

- یہ عقیدہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ [الحديد:3].

ترجمہ: وہی اول بھی ہے، اور آخر بھی۔

- "قَدِيْم بِلَا ابْتِدَاء" سے "اَلْأَوَّلُ" کی طرف اور "دَائِم بِلَا انْتِهَاء" سے "اَلْآخِرُ" کی طرف اشارہ ہے۔

6- لَا يَفْنَى وَ لَا يَبِيْدُ.

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) نہ فنا ہو گا اور نہ وہ ختم ہو گا۔

تشریح

- یہ دونوں جملے سابقہ عبارت "دَائِمٌ بِلَاانْتِهَاء" کی تاکید ہیں۔
- ان دونوں جملوں کا تقریبا ایک ہی معنی ہے[2]، اس لیے ان کو ایک ساتھ لانا بھی کلام میں زور پیدا کرنے کیلیئے ہے۔

7- وَلاَ يَكُوْنُ إِلَّا مَا يُرِيْدُ.

ترجمہ: اور صرف وہی ہوتا ہے جو وہ (اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے۔

تشریح

- کائنات میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور ہو گا وہ سب اللہ تعالی کے ارادے سے ہے۔

---

① قرآن اور حدیث میں اللہ تعالی کے جو اسمائے حسنی منقول ہیں ان میں قدیم اور دائم نہیں، البتہ عقائد کی کتابوں میں کثرت سے ان دو ناموں کا استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا قدیم اور دائم کو اللہ تعالی کے ناموں میں شمار کرنا درست نہیں، البتہ ان الفاظ کے ذریعے اللہ کی صفات کی تشریح کرنا درست ہے۔

② فَنِيَ يَفْنٰى فَنَاءً: معدوم ہونا، برباد ہونا اور ختم ہونا۔ بَادَ يَبِيْدُ بَيْدًا، بُيُودًا، بَيْدُوْدَةً: ہلاک ہونا۔

8- لَا تَبْلُغُهُ الْأَوْهَامُ وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَفْهَامُ.

ترجمہ: اس (اللہ تعالیٰ) تک نہ خیالات پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی اسے عقلیں پا سکتی ہیں۔

تشریح

- عقل و خیال سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی تصور قائم نہیں کیا جا سکتا۔
- اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ صرف ان صفات کے ذریعے جان سکتے ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔

9- وَلَا يُشْبِهُهُ الْأَنَامُ.[1]

ترجمہ: اور مخلوق اس (اللہ تعالیٰ) کے مشابہ نہیں۔

تشریح

- اللہ تعالیٰ کے مخلوق کے ساتھ مشابہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں مخلوق کی طرح نہیں، اس کی تمام صفات اس کی ذات کی طرح ازلی، ابدی اور کامل ہیں، جب کہ مخلوق کی صفات حادث اور ناقص ہیں۔
- امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اَلْفِقْهُ الْأَكْبَرُ" میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَصِفَاتُهُ كُلُّهَا فِي الْأَزَلِ بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ ، يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرَى لَا كَرُؤْيَتِنَا وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا".

ترجمہ: یعنی اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات (اس کی ذات کی طرح) ازلی اور ابدی ہیں (ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی) بخلاف مخلوق کی صفات کے (کہ وہ حادث ہیں، یعنی نہ ہمیشہ سے ہیں اور نہ ہمیشہ رہیں گی)، وہ جانتا ہے مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں، وہ قدرت رکھتا ہے مگر ہماری قدرت کی طرح نہیں، وہ دیکھتا ہے مگر ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، وہ بات کرتا ہے مگر ہمارے بات کرنے کی طرح نہیں، وہ سنتا ہے مگر ہمارے سننے کی طرح نہیں۔

---

[1] أَنَام، أُنام، أَنِيم مخلوق کو کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہر ذی روح کو أَنَام کہا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ جن وانس کو أَنَام کہتے ہیں، نیز أَنَام کی تفسیر صرف انسانوں سے بھی کی گئی ہے۔ أَنَام کی تفسیر میں مندرجہ بالا تمام اقوال ہیں، زیادہ درست یہ لگتا ہے کہ اس آیت: {وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ}[الرحمن: 10] میں تو صرف انسان مراد ہیں اور یہاں مقام نفی میں تمام مخلوق مراد ہیں یعنی اللہ کی کسی بھی مخلوق سے مشابہت نہیں۔

10- حَيٌّ لَا يَمُوْتُ ، قَيُّوْمٌ لَا يَنَامُ.

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) سدا زندہ ہے اسے موت نہیں آسکتی، (وہ) خود قائم ہے اور کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے کبھی نیند نہیں آسکتی۔

تشریح

- اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے، جو قرآنِ کریم کی اس آیت سے ثابت ہیں:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ [البقرۃ:255]

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے، جس کو نہ کبھی اونگھ آتی ہے، نہ نیند۔

- "حَيّ لَايَمُوْت" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔
- "قَيُّوْم" کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود قائم ہے اور ساری کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

11- خَالِقٌ بِلَا حَاجَةٍ، رَازِقٌ بِلَامُؤْنَةٍ.

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) بغیر کسی حاجت کے پیدا کرنے والا ہے (اور) بغیر کسی مشقت کے رزق دینے والا ہے۔

تشریح

- اس عبارت میں دو عقیدوں کا بیان ہے:

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو بغیر کسی حاجت کے پیدا کیا ہے۔

وہ اس کائنات کی ہر مخلوق کو رزق دیتا ہے اور اسے رزق دینے میں کوئی تکلیف و مشقت نہیں ہوتی۔

- یہ عقیدے قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ثابت ہیں:

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [الرعد:16]

ترجمہ: صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ [الذاریات: 58]

ترجمہ: اللہ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [العنکبوت: 6]

ترجمہ: یقینا اللہ تمام دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔

﴿إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾ [الرعد:16]

ترجمہ: جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہوجا "بس وہ ہوجاتا ہے۔

- اللہ تعالی تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے، اس کے باوجود اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تم انسان اور جن ایک جگہ جمع ہو کر مجھ سے (اپنی ضروریات) مانگنے لگ جاؤ اور میں سب کو دے دوں تو اس عطا سے میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئے گی جتنی کمی سمندر کے پانی میں سوئی ڈال کر نکالنے سے ہوتی ہے [1]۔

12- مُمِيْتٌ بِلاَ مَخَافَةٍ ، بَاعِثٌ بِلَا مَشَقَّةٍ.

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) بغیر کسی خوف کے موت دینے والا ہے (اور) بغیر کسی دشواری کے (دوبارہ) زندہ کرنے والا ہے۔

تشریح

- اس عبارت میں دو عقیدوں کا بیان ہے:

اللہ تعالیٰ بغیر کسی خوف کے موت دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بغیر کسی دشواری کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔

- یہ دونوں عقیدے قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ [الروم:27]

ترجمہ: اور وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ کام اس کے لیے بہت آسان ہے۔

﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَٰهَا﴾ [الشمس:15]

ترجمہ: اور اللہ کو اس کے کسی برے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔

---

[1] (صحيح مسلم، (4/ 1994)

13– مَا زَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيْمًا قَبْلَ خَلْقِهِ: لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَتِهِ، وَ كَمَا كَانَ بِصِفَاتِهِ أَزَلِيًّا كَذٰلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق (پیدا کرنے) سے پہلے اپنی (تمام) صفات کے ساتھ قدیم ہے: یعنی ہمیشہ سے ہے مخلوق کے وجود میں آنے سے اس کی صفات میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہیں تھا، اور جس طرح وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی (ہمیشہ سے) ہے، اسی طرح وہ اپنی صفات کے ساتھ ابدی ہے (یعنی ہمیشہ رہے گا)۔

تشریح

- اس عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی تمام صفات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اپنی تمام صفات کے ساتھ موصوف تھا۔ مخلوق کے وجود میں آنے سے اس کی صفات میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہیں تھا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ [النساء:16]

ترجمہ: بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ [النساء:17]

ترجمہ: اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

14– لَيْسَ بَعْدَ خَلْقِ الخَلْقِ اسْتَفَادَ اسْمَ "الْخَالِقِ" وَلَا بِإِحْدَاثِ الْبَرِيَّةِ اسْتَفَادَ اسْمَ "الْبَارِئُ" لَهُ مَعْنَى الرُّبُوْبِيَّةِ وَ لَا مَرْبُوْبَ، وَ مَعْنَى الْخَالِقِ وَ لَا مَخْلُوْقَ. وَ كَمَا أَنَّهُ مُحْيِيْ الْمَوْتٰى بَعْدَ مَا أَحْيَا، اسْتَحَقَّ هٰذَا الِاسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ، كَذٰلِكَ اسْتَحَقَّ اسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ إِنْشَائِهِمْ.

ترجمہ: مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے "الْخَالِق" کا نام نہیں اپنایا اور نہ ہی مخلوق کو وجود بخشنے کی وجہ سے "الْبَارِئُ" کا نام اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے "ربوبیت" کی صفت اس وقت بھی ثابت تھی جب کوئی "مربوب" موجود نہ تھا اور "الْخَالِق" کی صفت اس وقت بھی ثابت تھی جب کوئی "مخلوق" موجود نہ تھی۔ اور جس طرح (قیامت میں) مُردوں کو زندگی عطا کرنے کے بعد وہ "اَلْمُحيِي" (زندہ کرنے والا) کہلائے گا، اسی طرح مُردوں کو زندگی عطا کرنے سے پہلے بھی وہ اس نام کا مستحق ہے، (بالکل) اسی طرح وہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی "الْخَالِق" کے نام کا مستحق تھا۔

تشریح

- "الخالق" کا معنی ہے: "چیزوں کو ایک خاص اندازے سے عدم سے وجود میں لانے والا" اور "البارئ" کا معنی ہے: "چیزوں کو بغیر تفاوت بنانے والا[1]"
- "ربّ" پالنے والے کو کہتے ہیں اور "مربوب" وہ جسے پالا جائے۔

15- ذٰلِكَ بِأَنَّهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَيْهِ فَقِيْرٌ،وَكُلُّ أَمْرٍعَلَيْهِ يَسِيْرٌ،لَايَحْتَاجُ إِلىٰ شَيْءٍ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَ هُوَالسَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾.

ترجمہ: یہ (اللہ تعالیٰ کا ازل سے صفاتِ کمال سے موصوف ہونا) اس لیے ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ہر کام اس کے لیے آسان ہے، وہ کسی چیز کا محتاج نہیں: ﴿اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے﴾۔

16- خَلَقَ الْخَلْقَ بِعِلْمِهِ.

ترجمہ: اس (اللہ تعالی) نے مخلوق کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔

تشریح

- اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو ان کی پیدائش سے بھی پہلے مکمل طور پر جانتے تھے۔
- نہ صرف یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر مخلوق کو اس کی پیدائش سے پہلے جانتے تھے بلکہ تمام مخلوقات کے بارے میں چھوٹی موٹی تمام تفصیلات پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں، جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے: ﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ﴾ [الأنعام: 59]

  ترجمہ: کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔

17- وَقَدَّرَ لَهُمْ أَقْدَارًا.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ان (مخلوقات) کے لیے (الگ الگ) اندازے مقرر کیے۔

تشریح

- أَقْدَار: "قدر" کی جمع ہے، اس کے کئی معانی آتے ہیں، یہاں "اندازہ" کے معنی میں ہے۔

[1] العصيدة السماوية

- مخلوق کی ہر ہر چیز کی تمام تفصیلات لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھ دی گئی ہیں، جیسے: شکل وصورت، جَسم، رزق، عمر، وغیرہ۔
- لوحِ محفوظ میں ان تفصیلات کے لکھنے کو "علمِ عقائد" کی اصطلاح میں "تقدیر" کہتے ہیں۔
- عقیدۂ تقدیر قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ [الفرقان: 2]

ترجمہ: اور اللہ تعالی نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو ایک نپا تلا انداز عطا کیا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تبارک وتعالی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کے اندازے مقرر کیے [1]۔

18- وَ ضَرَبَ لَهُمْ آجَالًا.

ترجمہ: اور اللہ تعالٰی نے ان (مخلوقات) کی موت کے اوقات مقرر کئے۔

تشریح

- اللہ تعالی نے ہر جاندار کی موت کا وقت مقرر کر کے لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھ دیا ہے، جب وہ وقت آتا ہے تو اس میں کسی قسم کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ [آل عمران: 145]

ترجمہ: اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ [الأعراف: 34]

ترجمہ: اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتے۔

---

[1] صحیح مسلم، 4/ 2044

19– وَلَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَفْعَالِهِمْ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ وَ عَلِمَ مَا هُمْ عَامِلُوْنَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَهُمْ.

ترجمہ: اور مخلوق کے افعال میں سے کوئی بھی فعل ان کی پیدائش سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہ تھا، اور ان کی پیدائش سے پہلے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو انہوں نے (پیدائش کے بعد اپنی زندگی میں) کرنا تھا۔

تشریح

- مخلوق کا ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون ان کی پیدائش سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ جانتا ہے۔ جو حرف زبان سے نکلتا ہے، جو کام ہاتھ پیر کے ذریعے ہوتا ہے حتیٰ کہ دل میں جو ارادے اور وسوسے آتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ دیئے گئے تھے۔

20– وَأَمَرَهُمْ بِطَاعَتِهِ وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی فرماں برداری کا حکم دیا، اور نافرمانی سے منع کیا۔

تشریح

- اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کے بعد یونہی نہیں چھوڑا بلکہ اپنی اطاعت و عبادت کا پابند بنایا اور نافرمانی سے روکا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات: 56]

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ [النحل: 90]

ترجمہ: بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔

21– وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِيْ بِتَقْدِيْرِهِ وَمَشِيْئَتِهِ، وَمَشِيْئَتُهُ تَنفُذُ، لَا مَشِيْئَةَ لِلْعِبَادِ، إِلَّا مَاشَآءَ لَهُمْ فَمَا شَآءَ لَهُمْ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ.

ترجمہ: اور ہر چیز اس کی تقدیر (مقرر کرنے) اور مشیت (چاہت) کے مطابق چلتی ہے۔ صرف اس کی مشیت چلتی ہے، (اس کی مشیت کے سامنے) بندوں کی مشیت نہیں چلتی، البتہ بندوں کی صرف وہ چاہت پوری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ لہٰذا وہ بندوں کے لیے جو کچھ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا۔

تشریح

- ہر کام اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے، وہ اگر کوئی کام نہ چاہے تو ساری مخلوق مل کر بھی وہ کام نہیں کر سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [الإنسان: 30]

ترجمہ: اور تم چاہ بھی تو بس وہی سکتے ہو جو اللہ چاہے، بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

22- يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ، وَيَعْصِمُ وَيُعَافِيْ فَضْلًا ، وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ، وَيَخْذُلُ وَيَبْتَلِيْ عَدْلًا.

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، حفاظت کرتا ہے اور عافیت دیتا ہے، اور وہ اپنے عدل سے جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، اس کی مدد کرنا چھوڑ دیتا ہے اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

تشریح

- تمام مخلوق اللہ کی ملکیت ہے، وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے، اللہ اگر کسی کو ہدایت بخشتا ہے تو یہ اس کا انعام ہے، اور کسی کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو امتحان میں ڈالتا ہے تو یہ اس کا عدل وانصاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَن يَشَإِ ٱللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ [الأنعام: 39]

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

- مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے اور کام پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ﴾ [الأنبياء: 23]

ترجمہ: وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

- اللہ اسی کو گمراہ کرتا ہے جو خود راہِ حق سے منہ موڑ کر گمراہی کے پیچھے پڑ جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ [الكهف:49]

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

﴿وَهَدَيْنَٰهُ ٱلنَّجْدَيْنِ﴾ [البلد: 10]

ترجمہ: اور ہم نے اس کو (بھلائی اور برائی کے) دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔

23- وَ كُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُوْنَ فِيْ مَشِيْئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ.

ترجمہ: اور تمام بندے اللہ کی مشیت کے مطابق اس کے فضل اور عدل کے درمیان (مختلف حالات میں) زندگی گزارتے ہیں۔

تشریح

- اللہ کے فضل سے بندوں کو دین و دنیا کے اعتبار سے اچھی حالت نصیب ہوتی ہے اور اس کے عدل سے وہ بری حالت میں مبتلا ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی ہدایت پاتا ہے اور کوئی گمراہ ہوتا ہے، کسی پر نعمتوں کی بارش ہوتی ہے اور کوئی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، یہ سب کچھ اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے اس کے چاہے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهۡدِي مَن يَشَآءُ﴾ [فاطر: 8]

ترجمہ: سو بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے، راستے سے بھٹکا دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ٹھیک راستے پر پہنچا دیتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران: 26]

ترجمہ: کہو: اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

24- وَ هُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَ الْأَنْدَادِ.

ترجمہ: اور وہ (اللہ تعالیٰ) اضداد و انداد سے بلند و بالا ہے۔

تشریح

- أضداد: "ضدّ" کی جمع ہے، "ضِدّ" مخالف و مقابل کو کہتے ہیں۔
- أنداد: "ندّ" کی جمع ہے، "نِدّ" مثل کو کہتے ہیں۔
- اس عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ نہ کوئی اللہ کا مقابلہ کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی مثل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ [الإخلاص: 4]

ترجمہ: اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرہ:22]

ترجمہ: لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔

25- لَا رَادَّ لِقَضَاءِهِ ، وَ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ، وَ لَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ.

ترجمہ: اس (اللہ تعالیٰ) کے فیصلے کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور اس کے امر پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔

تشریح

- ایک ہی بات کو تین جملوں میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنے کا فیصلہ کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ﴾ [الرعد: 41]

ترجمہ: ہر حکم اللہ دیتا ہے، کوئی نہیں ہے جو اس کے حکم کو توڑ سکے۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ﴾ [یوسف:21]

ترجمہ: اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے۔

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ [یونس:107]

ترجمہ: اور اگر تمہیں اللہ کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اسے دور کر دے، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرلے تو کوئی نہیں ہے جو اس کے فضل کا رخ پھیر دے۔

26- آمَنَّا بِذٰلِكَ كُلِّهِ وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهِ.

ترجمہ: ہمارا ان سب (جو اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے) پر ایمان ہے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے اسی کے حکم سے ہے۔

اَلْإِيمَانُ بِنُبُوَّةِ النَّبِيِّ مُحَمَّد ﷺ

27- وَإِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ الْمُصْطَفٰى وَنَبِيُّهُ الْمُجْتَبٰى،وَرَسُوْلُهُ الْمُرْتَضٰى.

ترجمہ: اور (ہم اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ) بے شک حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے، چنیدہ نبی اور پسندیدہ رسول ہیں۔

تشریح

- مذکورہ بالا عبارت کا عطف "إِنَّ اللهَ وَاحِدٌ" پر ہے جو کتاب کے آغاز میں مذکور ہے۔
- مصطفٰی، مجتبٰی اور مرتضٰی تینوں الفاظ کا تقریباً ایک ہی معنی ہے، یعنی منتخب اور پسندیدہ۔
- حضور ﷺ کی نبوت قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: 40]

ترجمہ: (مسلمانو!) محمد (ﷺ) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ[1].

بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اور انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کرنے والا ہوں۔

- نبی اور رسول ہونے کے باوجود حضورِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾[الإسراء: 1]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی۔

28- وَإِنَّهُ خَاتَمُ الأَنْبِيَاءِ وَإِمَامُ الأَتْقِيَاءِ وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَحَبِيْبُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: اور بے شک وہ (حضرت محمد ﷺ) خَاتَمُ الأَنبِيَاءِ (نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے)، تمام متقیوں کے امام، تمام رسولوں کے سردار، اور ربّ العالمین کے محبوب ہیں۔

---

(1) المستدرک للحاکم

تشریح

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے، آپ کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری پیغمبر ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: 40]

ترجمہ: (مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سے سب سے آخری نبی ہیں۔

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”عنقریب میری امت میں تیس بڑے جھوٹے آدمی ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، (یاد رکھو) کہ میں نبیوں کے سلسلے کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں[1]“۔
- آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اتریں گے، مگر وہ اپنی شریعت کی دعوت نہیں دیں گے بلکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کرتے رہیں گے۔
- امام: اسے کہا جاتا ہے جس کی اتباع کی جائے۔ ہر وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے وہ متقی ہے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام متقیوں کے امام وپیشواء ہیں۔
- سید: سردار کو کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف تمام نبیوں کے بلکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد کے سردار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”میں قیامت کے دن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کا سردار ہوں گا[2]“۔ یعنی قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری واضح ہو جائیگی یہ مطلب نہیں کہ صرف اس دن سردار ہوں گے۔
- اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں کئی جگہ یہ فرمایا ہے کہ وہ محسنین اور متقین کے ساتھ محبت کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام محسنین اور متقین کے امام ہیں اس لیے اللہ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

---

[1] (سنن ابي داد، باب ذكر الفتن ودلائلها: 6/306)۔

[2] (صحيح مسلم، 4/1782)

29- وَكُلُّ دَعْوَى النُّبُوَّةِ بَعْدَهُ فَغَيٌّ وَ هَوًى.

ترجمہ: اور ان (رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کے بعد نبوت کا ہر دعوی گمراہی اور نفس کی (جھوٹی) خواہش ہے۔

تشریح

- جب قرآن وسنت کے واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں، اور آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں، تو اب جو شخص بھی نبوت کا دعوی کرے گا اس کا دعوی محض گمراہی اور نفس کی خواہش ہو گی۔

30- وَ هُوَ الْمَبْعُوثُ إِلَى عَامَّةِ الْجِنِّ وَ كَافَّةِ الْوَرٰى بِالْحَقِّ وَ الْهُدٰى وَ بِالنُّوْرِ وَ الضِّيَاءِ.

ترجمہ: اور وہ (رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) تمام جنات اور انسانوں کی طرف، حق وہدایت اور نور وروشنی دے کر بھیجے گئے ہیں۔

تشریح

- "وریٰ" مخلوق کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد انسان ہیں، آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جہاں انسانوں کے پیغمبر ہیں وہاں جنات کے بھی پیغمبر ہیں۔ تمام انسانوں اور جنات پر حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اتباع لازم ہے۔
- تمام انسانوں کے لیے پیغمبر ہونے کی دلیل یہ آیتِ مبارکہ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [سبأ: 28]

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے، اور خبردار بھی کرے۔

- جنات کے لیے پیغمبر ہونے کی دلیل "سورۃ الجنّ" ہے۔

﴿ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢ ﴾ [الجن: 1-2]

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دو: میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا، اور (اپنی قوم سے جاکر) کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو (عبادت میں) ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاریات: 56]

ترجمہ: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

"نور وضیاء" دونوں کے معنی روشنی کے ہیں مگر "ضیاء" اس روشنی کو کہتے ہیں جو زیادہ قوی ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ [یونس: 5]

ترجمہ: اور اللہ وہی ہے جس نے سورج کو سراپا روشنی بنایا، اور چاند کو سراپا نور۔

31– وَ إِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ ، مِنْهُ بَدَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا وَ أَنْزَلَهُ عَلَى رَسُوْلِهِ وَحْيًا. وَ صَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلَى ذٰلِكَ حَقًّا وَ أَيْقَنُوْا أَنَّهُ كَلَامُ اللهِ تَعَالىٰ بِالْحَقِيقَةِ. لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَـكَلَامِ الْبَرِيَّةِ فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ وَ قَدْ ذَمَّهُ اللهُ وَعَابَهُ وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ حَيْثُ قَالَ تَعَالىٰ: ﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾ [المدثر: 26] فَلَمَّا أَوْعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ [المدثر: 32] عَلِمْنَا وَ أَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ، وَ لَا يُشْبِهُ قَوْلَ الْبَشَرِ.

ترجمہ: اور (ہم اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ) یقیناً قرآن اللہ کا کلام ہے، اسی سے قول کی شکل میں بغیر کسی کیفیت کے ظاہر ہوا اور اسی نے اس کو اپنے پیغمبر ﷺ پر وحی کی صورت میں نازل کیا۔ اور مؤمنوں نے اس کو حق سمجھتے ہوئے اس کی تصدیق کی، اور اس بات کا یقین کیا کہ یہ حقیقتاً اللہ کا کلام ہے۔ (اور مومنوں نے اس بات کا یقین کیا کہ یہ قرآن) انسانوں کے کلام کی طرح مخلوق نہیں۔ سو جس نے اسے سنا اور یہ عقیدہ رکھا کہ یہ انسانوں کا کلام ہے تو اس نے کفر کیا اور یقیناً اللہ نے ایسا سمجھنے والے کی مذمت کی ہے، اسے برا کہا ہے اور اسے دوزخ کی وعید سنائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿میں اسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا﴾ تو جب اللہ نے اس شخص کو جہنم کی وعید سنائی ہے جس نے یہ کہا: ﴿یہ قرآن تو سراسر بشر کا قول ہے﴾ تو اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا اور ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ قرآنِ پاک خالقِ بشر کا قول ہے اور بشر کے کلام کے ساتھ اس کی مشابہت نہیں۔

تشریح

- مذکورہ بالا عبارت بھی "إِنَّ اللهَ وَاحِدٌ" پر عطف ہے جو کتاب کے آغاز میں مذکور ہے۔
- قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور اول سے لے کر آخر تک اللہ کا کلام ہے اور اللہ سے بطور قول کے اس کا ظہور ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللهِ﴾ [التوبة: 6]

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیں تاکہ وہ کلامِ الٰہی سن لے۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآنِ پاک کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہا گیا ہے۔

- "بِلَا كَيْفِيَّةٍ": اللہ تعالیٰ سے اس کلام کا ظہور کیسے ہوا اس کا ہمیں کوئی علم نہیں، ہمیں بس یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کلام کا ظہور قول کی صورت میں اس کی شان کے لائق ہوا ہے۔
- "وَاَنزَلَه عَلٰى رَسُولِه وَحيًا": اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو وحی کی صورت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ [الشعراء: 193]

ترجمہ: امانت دار فرشتہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اسے لے کر اترا ہے۔

32– وَ مَنْ وَصَفَ اللهَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِيْ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ، فَمَنْ أَبْصَرَ هٰذَا اعْتَبَرَ، وَ عَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ انْزَجَرَ وَ عَلِمَ أَنَّهُ بِصِفَاتِهِ لَيْسَ كَالْبَشَرِ.

ترجمہ: اور جس کسی نے اللہ کو مخلوق کی (ناقص) صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف کیا تو اس نے کفر کیا، اور جو کوئی (اللہ تعالیٰ کی صفات کے معاملے کو شریعت کی روشنی میں) سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ (لازمًا) نصیحت حاصل کرلے گا (درست بات پالے گا) اور (اس کے نتیجے میں اللہ کی شان میں) کافروں جیسی (گستاخانہ وناروا) بات کہنے سے باز رہے گا اور اسے اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بشر جیسا نہیں۔

تشریح

- اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کلام ثابت ہے، اور چونکہ بندے بھی کلام کرتے ہیں، اس لیے یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بندوں کے کلام کی طرح ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر تنبیہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بندوں کی صفات کی طرح نہیں، بندوں کا کلام کرنا زبان اور منہ کے ذریعے آواز کی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

رُؤْيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى حَقٌّ

33– وَ الرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَ لَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا: ﴿وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۲ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [الْقِيَامَة:22-23]. وَ تَفْسِيرُهُ عَلَى مَا أَرَادَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ عَلِمَهُ وَ كُلُّ مَا جَاءَ فِيْ ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَ مَعْنَاهُ عَلَى مَا أَرَادَ ، لَا نَدْخُلُ فِيْ ذٰلِكَ مُتَأَوِّلِيْنَ بِآرَائِنَا وَ لَا مُتَوَهِّمِيْنَ بِأَهْوَائِنَا، فَإِنَّهُ مَا سَلِمَ فِيْ دِيْنِهِ إِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ لِرَسُوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَ رَدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلَى عَالِمِهِ.

ترجمہ: اور جنّتیوں کا بغیر احاطہ اور کیفیت کے (اللہ تبارک وتعالیٰ کو) دیکھنا برحق (ثابت) ہے، جیسے کہ ہمارے رب کی کتاب نے اسے بیان کیا ہے: ﴿اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔﴾ اور اس کی تفسیر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اور جو اس کے علم میں ہے، اور دیدارِ الٰہی کے سلسلے میں جو بھی صحیح احادیث حضور ﷺ سے منقول ہیں وہ اسی طرح (برحق) ہیں، جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اور ان کا مطلب وہی ہے جس کا حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا ہے۔ ہم نہ ہی (قرآن وسنت کے) ان دلائل میں (جو دیدارِ الٰہی کے بارے میں منقول ہیں) اپنی (ناقص) رائے کے ذریعے تاویلات کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی (باطل) خواہشات کے سبب وہم کا شکار ہوتے ہیں، اس لیے کہ صرف وہی بندہ اپنے دین (کے معاملے) میں (گمراہی سے) محفوظ رہتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ (کی کتاب) اور حضور ﷺ (کی سنت) کے سامنے اپنی گردن جھکا دے اور جو مسئلہ اس پر مشتبہ ہو اس کا علم اس کے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دے۔

تشریح

- "وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ": اہلِ جنّت کو جنّت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔
- جنّت کے اندر جتنی نعمتیں ہیں ان میں سب سے بڑی اور لذیذ ترین نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے[1]۔

[1] صحیح مسلم ، باب إثبات رؤية المؤمنين في الآخرة ربّهم.

- "بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ": مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے اپنے رب کو دیکھتے وقت اس کی ذاتِ عالی شان کا اور اس کی تجلیات کا احاطہ نہیں کر سکیں گے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ [الأنعام: 103]

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں "ادراک" سے مراد "احاطہ" ہے [1]۔

یعنی ایسا نہیں کہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کو پورے طور سے پالیں، ہر طرف سے گھیر لیں اور تمام اطراف سے اس کا احاطہ کر لیں۔

- جنّت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار قرآنِ کریم کے علاوہ صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے، تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کو نقل کرتے ہیں [2]۔

وَ رَدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلَى عَالِمِهِ.

- "لا ندخل في ذلك الخ" صحیح عقیدے والے مسلمان قرآنی آیات اوراحادیث کی تشریح اپنی خواہشات کے مطابق نہیں کرتے، بلکہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے اس کو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔
- جن لوگوں نے اپنی عقل سے اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی اور قرآنی آیات اوراحادیث کی تشریح اپنی خواہشات کے مطابق کی وہ گمراہ ہوگئے اور اللہ کے دیدار کا انکار کر بیٹھے۔ معارف القرآن

---

① ابن کثیر: تفسیر آیت: [الأنعام: 103]

② شرح الطحاویۃ لابن ابی العز: ۱/217

34- وَ لَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلَى ظَهْرِ التَّسْلِيْمِ وَ الِاسْتِسْلَامِ . فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ وَ لَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيْدِ وَ صَافِيْ الْمَعْرِفَةِ وَ صَحِيْحِ الْإِيْمَانِ. فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَ الْإِيْمَانِ ، وَ التَّصْدِيقِ وَ التَّكْذِيبِ ، وَ الْإِقْرَارِ وَ الْإِنْكَارِ ، مُوَسْوِسًا تَائِهًا شَاكًّا، لَا مُؤْمِنًا مُصَدِّقًا وَ لَا جَاحِدًا مُكَذِّبًا.

ترجمہ: اور اسلام کا قدم صرف سر جھکانے اور فرمان برداری کی پشت پر جمتا ہے۔ سو جو کوئی اس چیز کے علم کے پیچھے پڑ گیا جس کے جاننے کا (راستہ) اس کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور اس کی سمجھ (قرآن وسنت کے دلائل کے سامنے) سر جھکانے پر مطمئن نہ ہوئی، تو اس کی یہ کوشش اسے (اللہ کی) خالص توحید، واضح معرفت اور صحیح ایمان سے محروم کر دے گی، اور وہ کفر وایمان، تصدیق وتکذیب اور اقرار وانکار کے درمیان، وسوسوں، حیرانی اور شک کی حالت میں تردّد میں مبتلا ہو گا۔ (اور وہ) نہ ہی تصدیق کرنے والا مؤمن اور نہ ہی تکذیب کرنے والا ہٹ دھرم ہو گا۔

تشریح

- وَلَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلَى ظَهْرِ التَّسْلِيْمِ وَالِاسْتِسْلَامِ. اس جملے کا لفظی ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے، مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام کا کوئی قدم ہے اور فرمان برداری کی کوئی پشت ہے، بلکہ مقصد یہ بتانا ہے کہ جس طرح قدم جمنے کے لیے اس کے نیچے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے، ہوا میں قدم نہیں جمتا، اسی طرح اسلام کی حفاظت کا راز صرف اس بات میں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور ان کے ہر حکم کو کسی ٹال مٹول کے بغیر مانا جائے۔ اس قسم کے بیان کو علمِ بلاغت کی اصطلاح میں "استعارہ"[1] کہتے ہیں۔
- "فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ" سے لے کر "ولا جاحدا مکذبا" تک عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن کی حقیقت کو انسان عقل کی روشنی میں جان سکتا ہے، مگر "اصولِ دین" کا معاملہ بالکل ہی الگ تھلگ ہے، اس سلسلے میں جتنی معلومات اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے فراہم کی ہیں ان سے زیادہ علم حاصل کرنے کے پیچھے پڑنے کا نتیجہ گمراہی، حیرانی اور پریشانی کے سوا

---

[1] استعارہ کی تعریف آپ علم البلاغہ میں پڑھیں گے، ان شاء اللہ۔

کچھ نہیں، خاص طور سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی سے ہٹ کر بات کرنا بندے کو دنیا میں گمراہی اور آخرت میں عذاب سے دوچار کرتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝٨ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٩﴾[الحج:8-9]

ترجمہ: اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشنی دینے والی کتاب۔ وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہیں، تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں، ایسے ہی شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔

35- وَ لَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لِمَنِ اعْتَبَرَهَا مِنْهُمْ بِوَهْمٍ أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ ، إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الرُّبُوْبِيَّةِ بِتَرْكِ التَّأْوِيْلِ وَلُزُوْمِ التَّسْلِيْمِ وَ عَلَيْهِ دِيْنُ الْمُسْلِمِيْنَ .وَ مَنْ لَمْ يَتَوَقَّ النَّفْيَ وَالتَّشْبِيهَ زَلَّ وَ لَمْ يُصِبِ التَّنْزِيْهَ. فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَ عَلَا مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ لَيْسَ فِي مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ.

ترجمہ: اور اہلِ جنت کے اللہ کو دیکھنے پر اس شخص کا ایمان ہی صحیح (قابلِ اعتبار) نہیں جو یا تو اس دیکھنے کا نقشہ اپنے وہم سے تیار کرے، یا اپنی ناقص سمجھ سے اس دیکھنے کو غلط معنی پہنائے۔ اس لیے کہ اللہ کے دیدار اور ہر اس صفت جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو، کو سمجھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس میں تاویل نہ کی جائے اور اسے جوں کا توں مانا جائے، اسی پر مسلمانوں کے دین کی (عمارت کی) بنیاد ہے، اور جو شخص اللہ کی صفات کے انکار اور (مخلوق کے ساتھ اس کی یا اس کی مخلوق کے ساتھ) تشبیہ سے باز نہ آیا تو وہ (راہِ راست) سے پھسل گیا اور (اللہ جل شانہ کو ہر کمی وکمزوری سے) پاک ماننے سے محروم رہا، اس لیے کہ بے شک ہمارا رب یکتائی کی صفات سے موصوف ہے اور مخلوق میں اس جیسی کوئی چیز نہیں۔

تشریح

- "دارالسلام": اس سے مراد جنت ہے اور "اہلِ دار السلام" سے مراد جنتی ہیں۔
- "الرؤیة": اس سے مراد جنتیوں کا اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھنا ہے۔

- مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دیدارِ الٰہی پر ایمان لانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس میں تاویل نہ کی جائے اور اسے جوں کا توں مانا جائے۔ اپنے وہم سے اس کا خیالی نقشہ تیار کرکے اس کی باریکیاں بیان کرنا یا قرآن وحدیث میں منقول الفاظ کو غلط معانی پہنانا صحیح طریقہ نہیں اور اس طرح کا ایمان معتبر نہیں۔
- "لمن اعتبرها منهم بوهم": "دیدارِ الٰہی" پر ناقابلِ اعتبار ایمان کی ایک شکل یہ ہے کہ اپنے وہم سے اس کا ایک خیالی نقشہ تیار کیا جائے اور اس کی باریکیاں بیان کی جائیں حالانکہ قرآن وحدیث میں "دیدارِ الٰہی" کا تفصیلی نقشہ نہیں کھینچا گیا۔ سو ایسا شخص اگرچہ بظاہر "دیدارِ الٰہی" پر ایمان کا دعوی دار ہو مگر اس کے اس قسم کے ایمان کی شریعت کی نظر میں کوئی قیمت نہیں۔
- "أو تأولها بفهم": "دیدارِ الٰہی" پر ناقابلِ اعتبار ایمان کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث میں جو الفاظ آئے ہیں انہیں غلط معنی پہنائے جائیں، مثلا ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: "إِلَىٰ ثواب رَبِّهَا نَاظِرَة"۔ یعنی اپنے رب کے ثواب کا انتظار کریں گے۔ حالانکہ یہ تاویل غلط ہے اس لیے کہ اس سلسلے میں احادیث میں جو صریح الفاظ منقول ہیں ان میں اس قسم کی غلط تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، مثلاً حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا كَمَا تَرَوْنَ الشَّمْسَ فِي الظَّهِيْرَةِ لَيْسَ دُوْنَهَا حِجَابٌ[1].

ترجمہ: بے شک تم اپنے رب کو یوں دیکھو گے جیسے تم سورج کو عین دوپہر کے وقت دیکھتے ہو جب کہ اس کے سامنے بادل نہ ہو۔

مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ، مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ

- صفات "صفت" کی جمع ہے اور نعوت "نعت" کی جمع ہے، صفت اور نعت کا تقریباً ایک ہی معنی ہے۔
- "وحدانية" اور "فردانية" بھی ایک ہی معنی کے لیے آئے ہیں۔ اردو میں ان کا ترجمہ "ایک ہونا" یا "یکتا ہونا" سے کیا جاتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری: 4581

36- تَعَالىٰ عَنِ الحُدُوْدِ وَالغَايَاتِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ، لَا تَحْوِيْهِ الجِهَاتُ السِّتُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ.

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) حد، انتہاء، اجزاء، اعضاء اور آلات سے بلند و بالا (پاک) ہے، تمام مخلوقات کی طرح چھ سمتیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

تشریح

- حدود: "حدّ" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: کنارہ و طرف۔ کہا جاتا ہے: یہ فلاں زمین، مکان یا چیز کی حدود ہیں۔
- غایات: "غایۃ" کی جمع ہے، کسی چیز کی انتہاء یعنی آخری حصے کو کہتے ہیں۔
- ارکان: "رکن" کی جمع ہے، کسی چیز کے جزء کو کہتے ہیں۔
- اعضاء: "عضو" کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد زندہ چیز کے فانی اعضاء ہیں۔
- ادوات: "اداۃ" کی جمع ہے، آلہ و اوزار کو کہتے ہیں۔
- جہات: "جِهَة" کی جمع ہے جس کا معنی سمت و طرف ہے۔
- مبتدعات: "مبتدع" کی جمع ہے، جس سے مراد مخلوق ہے۔
- اس عبارت کے ذریعے بعض گمراہ لوگوں کے اس غلط عقیدے کی تردید ہے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرح جسم ہے اور اعضاء ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلك) ان لوگوں نے چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانا ہے اس لیے یہ لوگ "مجسمہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔
- قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف "وجہ" اور "ید" وغیرہ کی نسبت ہوئی ہے مگر ان سے مراد مخلوق کی طرح اعضاء نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس قسم کی صفات اور دیگر تمام صفات پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے:

ان کو جوں کا توں مانا جائے اور ان کا انکار نہ کیا جائے۔

ان میں کوئی تاویل و تحریف نہ کی جائے۔

ان کو مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہ نہ قرار دیا جائے۔ مثلاً یہ نہ کہا جائے کہ اللہ کا مخلوق کی طرح ہاتھ ہے۔

بلکہ یہ مانا اور کہا جائے کہ "ید" اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں[1]۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور دیگر مَغیبات کے بارے میں اصولی باتیں

مغیبات (غیب کی چیزوں) کے بارے میں درج ذیل اصولی باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں:

مغیبات دو طرح کی ہیں:

(الف) وہ جن کی کوئی نظیر و مثال نہیں۔ یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی ہے۔

(ب) وہ جن کی نظیر و مثال دنیا میں موجود ہے، جیسے جنت کے پھل، محلات اور نہریں وغیرہ۔

ان دونوں قسم کی چیزوں کو عام انسانوں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اس لیے انسانوں کی زبان میں ایسے الفاظ موجود نہیں جو ان چیزوں کا ہو بہو نقشہ کھینچ سکیں۔

تاہم

انسانوں کو سمجھانے کے لیے قرآن وحدیث میں جہاں جہاں دوسری قسم کی چیزوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کے لیے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو دنیا میں موجود اس قسم کی چیزوں کے لیے انسانوں کی زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں جہاں جنت کے چشموں کا ذکر ہے وہاں ان کے لیے انہار کا لفظ استعمال ہے، جس سے ہمارے ذہن کی سطح پر پانی کے چشموں کا ایسا نقشہ ابھرتا ہے جو دنیا کے چشموں کی طرح بہنے والے ہوں گے اور ان کا پانی جنتیوں کے استعمال میں آنے والا ہو گا۔

مگر

وہ اتنے اعلیٰ چشمے ہیں کہ ہو بہو ان جیسے چشمے نہ کسی آنکھ نے دیکھے ہیں، نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا ہے اور نہ کسی دل میں ان کا خیال تک گزرا ہے۔

---

[1] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد اس سلسلے میں انتہائی واضح اور دوٹوک ہے وہ "الفقه الاكبر" میں فرماتے ہیں:

"فَمَا ذَكَرَه اللّٰهُ فِي القُرآنِ، مِن ذِكرِ الوَجه وَاليَدِ وَالنَّفسِ فهو له صِفَاتٌ بِلاَكَيفٍ. وَلاَ يُقَالُ: اِنَّ يده قُدرَته اَو نِعمَته، لِاَنَّ فيه اِبطَالَ الصفة، وهو قَولُ أهل القَدَرِ وَالاِعتِزَالِ وَلٰكِن يده صفته بِلاَكَيفٍ، وَغَضَبه وَرِضَاه صِفَتَانِ مِن صِفَاته بِلاَكَيفٍ"

(الفقه الاكبر بشرح ملا علي القاري علي، ص:37۔ قدیمی کتب خانہ)

تاہم

ان چشموں جیسے چشمے چونکہ دنیا میں موجود ہیں اس لیے ان کے ذکر سے ان کا ایک ہلکا سا نقشہ اور کیفیت انسان کی ذہنی سطح پر ابھر آتا ہے۔ اس قسم کے نقشوں کا تصور کرنا ممنوع نہیں۔

اس کے برعکس

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کی چونکہ کوئی نظیر ومثال اس دنیا میں موجود نہیں، اس لیے اس کی ذات وصفات کا کوئی نقشہ انسانی ذہن نہیں بنا سکتا، چنانچہ اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں جو جو الفاظ قرآن اور احادیث مبارکہ میں آئے ہیں، ان الفاظ سے اپنے ذہن وخیال میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا کوئی نقشہ قائم کرنا ممنوع ہے۔

اَلْإِيمَانُ بِالْإِسرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ

37– وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ وَقَدْ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِجَ بِشَخْصِهِ فِيْ الْيَقَظَةِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ إِلَى حَيْثُ شَاءَ اللهُ مِنَ الْعُلَا وَأَكْرَمَهُ اللهُ بِمَا شَاءَ وَأَوْحَى إِلَيْهِ مَا أَوْحَى (مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى)[النجم: 11]فَصَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ فِيْ الْآخِرَةِ وَالْأُوْلَى.

ترجمہ: اور معراج برحق ہے، اور یقینا رات کے وقت نبی کریم ﷺ کو (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف) لے جایا گیا، اور (اس کے بعد) آپ ﷺ کے جسد مبارک کو بیداری کی حالت میں اوپر آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ پھر اس کے بعد اس بلند مقام تک لے جایا گیا جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، اور اللہ تعالیٰ نے ان انعامات سے آپ ﷺ کی عزت افزائی کی جن سے آپ ﷺ کی عزت افزائی کرنا اسے منظور تھا، اور آپ ﷺ پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔ (آپ ﷺ کے) دل نے ان (عجائبات قدرت) کے دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی جنہیں آپ ﷺ نے دیکھا۔ سو آپ ﷺ پر دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔

تشریح

معراج سے مراد مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر مسجد اقصیٰ سے عالم بالا یعنی آسمانوں اور ان سے بھی اوپر تک کا وہ سفر ہے جو حضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسم اور روح سمیت رات کے وقت ہجرت سے قبل کرایا گیا، اس سفر میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

اس سفر کے دو مراحل تھے: پہلا مرحلہ مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک تھا، سفر کے اس مرحلے کو "اسراء" کہتے ہیں، اور دوسرا مرحلہ مسجد اقصٰی سے عالم بالا تک تھا، اس کو "معراج" کہتے ہیں۔

پہلے مرحلے کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [الإسراء: 1]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔

دوسرے مرحلے کی دلیل وہ روایات ہیں جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیحین میں سات جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زبانی نقل کیا ہے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تمام سفر کی مکمل روداد انتہائی تفصیل سے بیان کی ہے، بخاری و مسلم کے علاوہ، تفسیر، حدیث اور تاریخ کی بہت سی کتابوں میں معراج کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

سورۃ النجم میں بھی معراج کے دوسرے مرحلے کا کچھ ذکر درج ذیل آیات میں کیا گیا ہے:

﴿اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی ﴿۱۴﴾ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ﴿۱۸﴾﴾ [النجم: 12-18]

ترجمہ: تو کیا تم (منکرینِ معجزات و معراج) ان (پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی دیکھی ہوئی چیزوں میں ان کے ساتھ نزاع (جھگڑا اور اختلاف) کرتے ہو اور انہوں نے اس (جبریل امین) کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتھی کے پاس، اس (سدرۃ المنتھی) کے پاس جنت الماوی ہے، جب اس سدرۃ المنتھی کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپیٹ رہی تھیں، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) نگاہ نہ تو ہٹی (ان عجیب وغریب چیزوں سے جن کے دیکھنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا) اور نہ ہی بڑھی (ان چیزوں کی طرف جن کے دیکھنے کا حکم نہ تھا) انہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔

واقعہ معراج

احادیث مبارکہ کی روشنی میں واقعہ معراج کا خلاصہ:

ہجرت سے قبل ایک دفعہ رات کے وقت جبرئیل امین علیہ السلام براق نامی سواری لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے لیا اور براق پر سوار کرا کے مسجد اقصٰی لے گئے۔ پھر وہاں سے پہلے آسمان پر لے گئے جہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پھر دوسرے آسمان پر لے گئے جہاں حضرت یحیٰ بن زکریا علیہما السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، پھر تیسرے آسمان پر لے گئے جہاں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پھر چوتھے آسمان پر لے گئے وہاں حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پھر پانچویں آسمان پر لے گئے جہاں حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پھر چھٹے آسمان پر لے گئے جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، پھر ساتویں آسمان پر لے گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سدرۃالمنتھی" نامی درخت اور "بیت معمور" نامی مقام کو دیکھا، اس کے بعد رب جل وعلا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی جس کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عجائبات قدرت کو دیکھا کہ ان کی صحیح صحیح کیفیت بھی الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس زمین پر تشریف لے آئے، یہ سارا سفر رات کے تھوڑے سے حصے میں ہوا۔

اَلْإِيمَانُ بِالْحَوْضِ وَالشَّفَاعَةِ وَالْمِيثَاقِ

38– وَالْحَوْضُ الَّذِيْ أَكْرَمَهُ اللهُ تَعَالَى بِهِ غِيَاثًا لِأُمَّتِهِ حَقٌّ.

ترجمہ: اور حوض (کوثر) برحق ہے، جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی سیرابی کے لیے نوازا ہے۔

تشریح

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے حوض سے نوازیں گے جس کا نام "الکوثر" ہے۔

اس کا پانی انتہائی صاف ستھرا، ٹھنڈا، لذیذ اور خوشبودار ہو گا۔

اس کی شکل مربع ہو گی اور اس کا ہر بازو ایک مہینے کی مسافت جتنا لمبا ہو گا۔

اس کے آس پاس پانی پینے کے برتنوں کی تعداد آسمان کے تاروں سے زیادہ ہو گی۔
حضور ﷺ اپنی امت کو اس حوضِ کوثر سے پانی پلائیں گے۔

- اس حوض کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ﴾ [الكوثر: 1]
ترجمہ: (اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔

- تیس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حوضِ کوثر کے بارے میں حضور ﷺ سے روایات نقل کی ہیں، یہ روایات احادیث اور سیرت کی تقریباً تمام بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔

39- وَالشَّفَاعَةُ الَّتِيْ ادَّخَرَهَا لَهُمْ حَقٌّ كَمَا رُوِيَ فِيْ الْأَخْبَارِ.

ترجمہ: اور (اللہ کے سامنے) سفارش (کرنے کا وہ اعزاز) برحق ہے (جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اور) جسے آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے محفوظ رکھا ہے، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔

تشریح

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو عام انسانوں کے لیے عموماً اور اپنی امت کے لیے خصوصاً اللہ کے سامنے سفارش کرنے کے اعزاز سے نوازا ہے۔
چنانچہ آپ ﷺ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی اجازت سے تمام انسانوں کے حق میں یہ سفارش کریں گے کہ ان کے لیے محشر کا وقت مختصر ہو اور آپ ﷺ کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔
اسی طرح آپ ﷺ اپنی امت کے گناہ گاروں کے حق میں سفارش کریں گے کہ ان کی بخشش کر دی جائے۔ اور نیکوکاروں کے حق میں سفارش کریں گے کہ ان کے درجات بلند ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کی امت کے حق میں بھی آپ ﷺ کی سفارش قبول فرمائیں گے۔

- حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ہر نبی کو ایک مقبول دعا دی جاتی ہے، سب نے دنیا میں ہی وہ دعا کر لی ہے اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے[1]۔

- شفاعت کے بارے میں روایات احادیث کی تمام بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔

40- وَالْمِيثَاقُ الَّذِيْ أَخَذَهُ اللهُ تَعَالَى مِنْ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ حَقٌّ.

ترجمہ: اور وہ عہد (بھی) برحق ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی اولاد سے لیا تھا۔

تشریح

- اس عہد کا اجمالی حال اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ [الأعراف: 172]

ترجمہ: اور (اے رسول ! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ سب نے جواب دیا تھا کہ : کیوں نہیں ؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ (اور یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔

- شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"اس آیتِ کریمہ میں جس عہد لینے کا ذکر ہے، حدیث میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت سے جتنے انسان پیدا ہونے والے تھے، ان سب کو ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر ان سے یہ عہد لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ تسلیم کرتے ہیں۔ جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو مان کر ان پر عمل کریں گے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان سے اپنی اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔"

اَلْإِيمَانُ بِعِلْمِ اللهِ تَعَالٰى

41- وَ قَدْ عَلِمَ اللهُ تَعَالٰى فِيْمَا لَمْ يَزَلْ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ عَدَدَ مَنْ يَدْخُلُ النَّارَ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَلَا يُزَادُ فِيْ ذٰلِكَ الْعَدَدِ وَ لَا يُنْقَصُ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو ازل سے ہی جنت اور جہنم میں داخل ہونے والوں کی تعداد ایک ساتھ معلوم تھی (اور ہے)، اس تعداد میں نہ کوئی اضافہ ہو گا اور نہ ہی کوئی کمی ہو گی۔

تشریح

◄ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم چونکہ ہر چیز پر محیط ہے، ماضی، حال اور مستقبل کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو اس لیے جنت و جہنم میں داخل ہونے والوں کو ان کی پیدائش سے قبل وہ جانتا تھا اور جانتا ہے۔

◄ "جملة واحدة": اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جاننا ایسا نہیں کہ پہلے کچھ لوگوں کا علم حاصل ہوا اور بعد میں کچھ اور کا، بلکہ تمام لوگوں کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ کو ازل سے ایک ساتھ حاصل تھا۔

42- وَ كَذٰلِكَ أَفْعَالُهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَفْعَلُوْهُ ، وَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.وَ الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ.وَ السَّعِيدُ مَنْ سَعِدَ بِقَضَاءِ اللهِ ، وَ الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ بِقَضَاءِ اللهِ.

ترجمہ: اور اسی طرح بندوں سے دنیا میں سرزد ہونے والے افعال بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اور ہر بندے کے لیے وہ کام آسان بنادیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اعمال (کے جزا و سزا) کا دار و مدار خاتموں پر ہے۔ اور نیک بخت وہ ہے جس کی نیک بختی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور بد بخت وہ ہے جس کی بد بختی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

تشریح

◄ "وَكَذٰلِكَ أَفْعَالُهُمْ فِيمَا عَلِمَ مِنْهُمْ أَنْ يَفْعَلُوهُ": جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں اور جہنمیوں کی تعداد کو ازل سے جانتے ہیں اسی طرح ان کے تمام افعال کا بھی اسے ازل سے علم ہے، دنیا میں جہاں کہیں جو کوئی جو بھی کام کرتا ہے اس کام کا اللہ کو ازل سے علم ہے، اس بات کی دلیل بھی وہی آیات ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

◄ "وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ": یہ جملہ حضور ﷺ کی ایک طویل حدیث کا حصہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ[1]﴾

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کیے جاؤ، کیوں کہ ہر ایک کو اسی عمل کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو نیک بختوں والے (نیک) اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اور جو کوئی

---

[1] ﴿صحيح البخاري، 6/171﴾

بد بختوں میں سے ہے تو اس کو بد بختوں والے اعمال (بد) ہی کی توفیق ملتی ہے۔

تشریح

- ''وَالْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ'': یعنی نجات وعذاب کا مدار ان اعمال پر ہے جن پر آدمی کا خاتمہ ہوگا۔ خاتمہ نیک اعمال پر ہوگا تو جنت کی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور اگر خدانخواستہ خاتمہ شر پر ہوگا تو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔
- کسی کا نیک عمل اس کے جنتی ہونے کی یقینی علامت نہیں، اسی طرح برا عمل بھی کسی کے جہنمی ہونے کی یقینی علامت نہیں، بعض اوقات نیک عمل کرتے کرتے ایک شخص اچانک بدل جاتا ہے اور جہنمیوں کے عقائد واعمال میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسی حال میں اس کی موت آجاتی ہے اور جہنم میں داخل ہونے کا مستحق قرار پاتا ہے، اسی طرح کوئی شخص برے اعمال میں مبتلا ہوتا ہے مگر زندگی کے آخری حصے میں اسے نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے اور اسی حال میں اسے موت آتی ہے اور وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق قرار پاتا ہے[1]۔
- وَالسَّعِيدُ مَنْ سَعِدَ الخ: یعنی ہر آدمی کی نیک بختی اور بد بختی کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہے[2]۔

اَلْإِيمَانُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ

43– وَ أَصْلُ الْقَدَرِ سِرُّ اللهِ تَعَالىٰ فِي خَلْقِهِ لَمْ يَطَّلِعْ عَلَى ذٰلِكَ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَ لَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ ، و التَّعَمُّقُ وَ النَّظَرُ فِيْ ذٰلِكَ ذَرِيْعَةُ الْخِذْلَانِ وَ سُلَّمُ الْحِرْمَانِ وَ دَرَجَةُ الطُّغْيَانِ ، فَالْحَذَرُ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ ذٰلِكَ نَظَرًا وَ فِكْرًا وَ وَسْوَسَةً فَإِنَّ اللهَ تَعَالىٰ طَوَى عِلْمَ الْقَدَرِ عَنْ أَنَامِهِ وَ نَهَاهُمْ عَنْ مَرَامِهِ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالىٰ فِيْ كِتَابِهِ: (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُوْنَ)[الأنبياء: 23].فَمَنْ سَأَلَ لِمَ فَعَلَ؟ فَقَدْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ وَمَنْ رَدَّ حُكْمَ الْكِتَابِ كَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ.

ترجمہ: اور تقدیر (کا مسئلہ) درحقیقت اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق کے بارے میں ایک راز ہے، اس راز سے نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ آگاہ ہے اور نہ ہی اللہ کا بھیجا ہوا کوئی رسول۔ اس میں باریکیاں تلاش کرنا اور غور وفکر کرنا بے یارو مددگار ہونے کا ذریعہ، محرومی کا زینہ اور سرکشی کا ایک درجہ ہے، لہٰذا باز رہیں بالکل باز رہیں اس بارے میں

---

[1] یہ مفہوم بہت سی احادیث میں بیان ہوا ہے، مثلاً صحیح بخاری: ۸۰۲۳ اور صحیح مسلم: ۳۴۶۲ میں یہ مفہوم موجود ہے۔

[2] یہ مفہوم بھی مندرجہ بالا احادیث میں موجود ہے۔

غور وفکر کرنے (بلکہ دل میں) وسوسہ تک لانے سے (بھی) اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقدیر کے علم کو اپنی مخلوق سے لپیٹ (کر چھپا) لیا ہے اور انہیں اس کے (جاننے کے) قصد (وارادہ تک) سے منع کر دیا ہے، جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہو گی۔﴾ سو جس کسی نے اللہ کے کسی کام کے بارے میں پوچھا: اللہ نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے اللہ کی کتاب کے (مندرجہ بالا) فیصلے کو رد کر دیا اور جس نے اللہ کی کتاب کے فیصلے کو رد کر دیا تو وہ کافروں میں شمار ہوا۔

تشریح

اس کائنات میں جو بھی خیر وشر ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، یہ مومن کے عقیدہ کا لازمی حصہ ہے، اس سلسلے میں نہ تو مخلوق کو پوچھنے کا حق ہے کہ اللہ نے فلاں کام کیوں کیا؟ یا فلاں چیز کو کیوں پیدا کیا؟ اور نہ ہی اس میں غور وخوض کرنے کی اجازت ہے، جو شخص اس سلسلے میں کھود کرید کرنا چاہے اس کے ساتھ بحث ومباحثہ کرنا بھی درست نہیں۔

44- فَهٰذَا جُمْلَةُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مَنْ هُوَ مُنَوَّرٌ قَلْبُهُ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللهِ تَعَالىٰ، وَهِيَ دَرَجَةُ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ،لِأَنَّ الْعِلْمَ عِلْمَانِ: عِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَوْجُوْدٌ ، وَعِلْمٌ فِي الْخَلْقِ مَفْقُوْدٌ. فَإِنْكَارُ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ كُفْرٌ، وَادِّعَاءُ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ كُفْرٌ، وَلَا يَثْبُتُ الْإِيْمَانُ إِلَّا بِقَبُوْلِ الْعِلْمِ الْمَوْجُوْدِ،وَتَرْكِ طَلَبِ الْعِلْمِ الْمَفْقُوْدِ.

ترجمہ: سو یہ (جو ذکر ہو چکا) یہ مجموعہ ہے ان عقائد کا جن پر پختہ یقین رکھنا اللہ کے اولیاء کی بنیادی ضرورت ہے جن کے دل (ایمان کے نور سے) منور ہیں، اور یہی ان لوگوں کا مقام ہے جن کا علم پختہ وگہرا ہے، اس لیے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: (ایک) وہ جو کہ مخلوق میں موجود ہے، (دوسرا) وہ جو مخلوق میں موجود نہیں، سو علم موجود کا انکار کرنا کفر ہے اور جو علم موجود نہیں اس کا دعویٰ کرنا (بھی) کفر ہے، اور (کسی بھی شخص کا) ایمان اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک وہ علم موجود کو قبول نہ کرے اور اس علم کی طلب کو نہ چھوڑے جو کہ موجود نہیں۔

تشریح

''علمِ موجود'' سے مراد شریعت کے ان احکام کا علم ہے جو اللہ کے نبی نے تفصیل سے بتا دیے ہیں، ان کا ماننا ایمان کے ثبوت کے لیے ضروری ہے۔

"علمِ مفقود" سے مراد تقدیر اور غیب کی ان باتوں کا علم ہے جسے اللہ نے بطور راز کے چھپا رکھا ہے، اس لیے اس کے جاننے کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

اَلْإِيمَانُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

45– وَنُؤْمِنُ بِاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَبِجَمِيعِ مَا فِيهِ قَدْ رُقِمَ.فَلَوِ اجْتَمَعَ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عَلَى شَيْءٍ كَتَبَهُ اللهُ تَعَالىٰ فِيْهِ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ غَيْرَ كَائِنٍ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلَى شَيْءٍ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ تَعَالىٰ فِيْهِ أَنَّهُ كَائِنٌ لِيَجْعَلُوْهُ كَائِنًا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ ، جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.وَمَا أَخْطَأَ الْعَبْدَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ وَمَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ.

ترجمہ: اور ہم لوحِ محفوظ و قلم پر اور ان تمام باتوں (کے یقینی ہونے) پر جو لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں ایمان لاتے ہیں، سو اگر تمام مخلوق جمع ہو کر اس چیز کے ختم کرنے کا ارادہ کرے جس کے ہونے کا فیصلہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے تو وہ ایسا نہیں کر سکے گی اور اگر وہ سب جمع ہو کر کسی ایسے کام کے کرنے کا فیصلہ کرلے جس کے ہونے کے بارے میں اللہ نے لوح محفوظ میں نہیں لکھا تو وہ ایسا نہیں کر سکے گی، قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے (وہ لکھا جا چکا ہے اور) قلم (اسے لکھ کر خشک) ہو چکا ہے، اور بندے کو جو کچھ (خیر وشر) نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا تھا ہی نہیں اور جو اسے پہنچ چکا وہ اس سے ٹلنے والا تھا ہی نہیں۔

تشریح

عربی زبان میں "لوح" تختی کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو تا قیامت ہونے والا ہے، اس کو "لوحِ محفوظ" بھی کہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾﴾ [البروج: 21-22]

ترجمہ: یہ تو بڑی عظمت والا قرآن ہے، جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔

"قلم" سے مراد وہ قلم ہے جس کے ذریعے لوح محفوظ میں وہ سب کچھ لکھا گیا ہے جو ہو چکا ہے اور ہونے والا ہے، اس قلم کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے: ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ [القلم: 1]

ترجمہ: نٓ۔ (اے پیغمبر!) قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جو وہ لکھ رہے ہیں۔

46– وَعَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللهَ قَدْ سَبَقَ عِلْمُهُ فِيْ كُلِّ كَائِنٍ مِنْ خَلْقِهِ فَقَدَّرَ ذٰلِكَ تَقْدِيْرًا مُحْكَمًا مُبْرَمًا لَيْسَ فِيهِ نَاقِضٌ وَ لَا مُعَقِّبٌ وَ لَا مُزِيلٌ وَ لَا مُغَيِّرٌ وَ لَا نَاقِصٌ وَ لَا زَائِدٌ مِنْ خَلْقِهِ فِيْ سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِهِ. وَذٰلِكَ مِنْ عَقْدِ الْإِيْمَانِ وَأُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَالِاعْتِرَافِ بِتَوْحِيْدِ اللهِ تَعَالىٰ وَ رُبُوبِيَّتِهِ كَمَا قَالَ تَعَالىٰ فِيْ كِتَابِهِ: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ [الفرقان:2] وَقَالَ تَعَالىٰ: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا﴾ [الأحزاب:38] فَوَيْلٌ لِمَنْ صَارَ لِلّٰهِ تَعَالىٰ فِيْ الْقَدَرِ خَصِيْماً وَ أَحْضَرَ لِلنَّظَرِ فِيْهِ قَلْبًا سَقِيْمًا، لَقَدِ الْتَمَسَ بِوَهْمِهِ فِيْ فَحْصِ الْغَيْبِ سِرًّا كَتِيْمًا وَعَادَ بِمَا قَالَ فِيْهِ أَفَّاكاً أَثِيْماً.

ترجمہ: اور بندے کے لیے اس بات کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ہر مخلوق کے وجود سے قبل اس کا علم تھا، سو ہر چیز کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا مضبوط واٹل فیصلہ (اس کی پیدائش سے) پہلے سے کر دیا ہے جسے اس کی آسمانوں اور زمین میں کوئی مخلوق نہ ہی توڑ سکتی ہے، نہ ہی اس کے خلاف فیصلہ کر سکتی ہے، نہ ہی اسے ہٹا سکتی ہے، نہ ہی اسے بدل سکتی ہے، نہ ہی اس میں کمی کر سکتی ہے اور نہ ہی اس میں اضافہ کر سکتی ہے، اور یہ (سب باتیں جو جو ذکر ہو چکیں درحقیت) ایمان کی پختگی، اللہ کی معرفت کے اصولوں اور اللہ کی توحید وربوبیت کے اقرار میں سے ہیں جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: (اور جس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو ایک نپا تلا انداز عطا کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: (اور اللہ کا فیصلہ نپا تلا مقدر ہوتا ہے) سو تباہی ہو اس شخص کے لیے جو تقدیر کے معاملے میں اللہ کے مقابلے میں آئے اور اس (تقدیر) میں غور وخوض کے لیے بیمار دل کو استعمال کرے، یقیناً ایسے شخص نے اپنے وہم سے غیب کی تلاش میں ایک چھپے ہوئے راز کو (جاننا) چاہا، اور تقدیر کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا اس کی وجہ سے جھوٹا اور گناہ گار ہو گیا۔

تشریح

- یہ سارے کا سارا بیان پچھلے بیان کی مزید تاکید ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تبارک تعالیٰ کو قیامت تک ظہور پذیر ہونے والی ہر چیز کا اس کی پیدائش سے پہلے علم ہے اور اسے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے، اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، اس کو "تقدیر" کہتے ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، اس میں غور وفکر اور بحث کرنا منع ہے جو شخص اس معاملے میں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کرتا ہے اسے گمراہی وحیرانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اَلْإِيمَانُ بِالْعَرشِ وَالْكُرسِيِّ

47- وَالْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ حَقٌّ.

ترجمہ: اور عرش اور کرسی برحق ہیں۔

تشریح

- "عرش": عربی زبان میں "تخت" کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ مخلوق ہے جو جنت الفردوس کے اوپر ہے اور اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝١٥﴾ [البروج: 15]

ترجمہ: عرش کا مالک ہے، بزرگی والا ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾ [غافر: 7]

ترجمہ: وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ، فَاسْأَلُوهُ الفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الجَنَّةِ وَأَعْلَى الجَنَّةِ وَ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ[1].

ترجمہ: لهذا جب تم اللہ تعالیٰ سے (درجات عالیہ) مانگو تو اس سے جنت الفردوس مانگو، اس لیے کہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اس سے اوپر رحمن کا عرش ہے۔

- "کرسی" کا لفظ عربی میں اسی معنی کے لیے بولا جاتا ہے جس معنی میں اس کا اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد وہ مخلوق ہے جو عرش کے سامنے پڑی ہوئی ہے[2]۔
- کرسی "عرش" کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہے مگر اس کے باوجود اتنی بڑی ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین سے زیادہ وسیع ہے۔

---

[1] صحيح البخاري (4/ 16)

[2] أخرجه ابن جرير في تفسيره.

اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ [البقرة: 255]

ترجمہ: اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کی نسبت پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک بڑے میدان میں پڑا ہو اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے[1]۔

48- وَهُوَ مُسْتَغْنٍ عَنِ الْعَرْشِ وَمَا دُوْنَهُ.

ترجمہ: اور اللہ، عرش اور اس کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان سب سے بے نیاز ہے۔

تشریح

- "عرش" اور "کرسی" کے ذکر سے کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ (العیاذ باللہ) شاید اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کی طرح عرش وکرسی کا محتاج ہے، اس لیے اس وہم کو دور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرش وکرسی اور باقی مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کا محتاج نہیں، ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے میں اس کی حکمتیں ہیں جنہیں پوری طرح صرف وہی جانتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ ٱلْعٰلَمِينَ﴾ [آل عمران: 97]

ترجمہ: اللہ دنیا جہاں کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔

49- مُحِيْطٌ بِكُلِّ شَيْءٍ وَ فَوْقَهُ وَ قَدْ أَعْجَزَ عَنِ الْإِحَاطَةِ خَلْقَهُ.

ترجمہ: وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، (اس کے باوجود) ہر چیز سے بلند وبالا ہے اور اس نے اپنی مخلوق کو اس (اللہ تعالیٰ) کا احاطہ کرنے سے عاجز کر رکھا ہے۔

تشریح

- ہر چیز کا احاطہ فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں ہے، اس کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] أخرجه ابن جرير في تفسيره.

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شیءٍ مُّحِيطًا﴾ [النساء: 126]

ترجمہ: اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنے علم وقدرت کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ [آل عمران:18]

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

- اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم نے تو ہر چیز کا احاطہ کرر کھا ہے مگر مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی، ساری مخلوق اس سے عاجز ہے، وہ تمام مخلوق سے بلند وبالا ہے۔

50- وَنَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً، وَ كَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، إِيْمَاناً وَّ تَصْدِيْقاً وَّ تَسْلِيْمًا.

ترجمہ: اور (ہم اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے یہ) کہتے ہیں کہ بے شک اللہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کلام فرمایا، ہم ان (دونوں باتوں) پر ایمان لاتے ہیں، ان کی تصدیق کرتے ہیں اور انہیں تسلیم کرتے ہیں۔

تشریح

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا خلیل (خاص دوست) بنایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ [النساء: 125]

ترجمہ: اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا تھا۔

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا خلیل بنایا[1]۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا»[2].

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اسی طرح اپنا خلیل بنایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا خلیل بنایا۔

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحيح مسلم: (1/ 377)

[2] سنن ابن ماجه: (1/ 50)

﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمًا﴾ [النساء: 164]

ترجمہ: اور موسیٰ سے اللہ براہ راست ہم کلام ہوا۔

51– وَنُؤْمِنُ بِالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَنَشْهَدُ أَنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ.

ترجمہ: اور ہم ایمان لاتے ہیں فرشتوں اور پیغمبروں اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ کے رسولوں پر نازل کی گئیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمام پیغمبر واضح حق پر قائم تھے[1]۔

52– وَنُسَمِّيْ أَهْلَ قِبْلَتِنَا مُسْلِمِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ ، مَا دَامُوْا بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَسَلَّمَ مُعْتَرِفِيْنَ، وَلَهُ بِكُلِّ مَا قَالَهُ وَ أَخْبَرَهُ مُصَدِّقِيْنَ.

ترجمہ: اور ہم تمام اہلِ قبلہ کو مؤمن مسلمان سمجھتے ہیں جب تک وہ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین (کی بنیادی باتوں) کو ماننے والے ہوں اور حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جس بات کی خبر دی اس سب میں حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوں۔

تشریح

"اہلِ قبلہ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے ہوں، ایسے لوگ چاہے کتنے ہی گناہ گار کیوں نہ ہوں ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھا جائے گا، تاہم اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

وہ ضروریاتِ دین (یعنی حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کے یقینی و قطعی عقائد واحکام) میں سے کسی کا انکار نہ کریں۔

کوئی ایسی بات یا کام نہ کریں جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی پیغمبر، خانہ کعبہ یا آسمانی کتاب کی توہین کرنا یا بت کے سامنے سجدہ یا اور کسی قسم کا شرک کرنا۔

---

[1] مندرجہ بالا عبارت کی تشریح عقیدہ نمبر 64 کے تحت آرہی ہے۔

مندرجہ بالا دو کاموں میں سے کوئی کام کرنے والا انسان اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

حُرمَةُ الخَوضِ فِيْ ذَاتِ اللهِ ، وَالجِدَالِ فِيْ دِيْنِ اللهِ وَقُرْآنِه

53– وَلَا نَخُوْضُ فِيْ اللهِ، وَلَا نُمَارِيْ فِيْ دِيْنِ اللهِ.

ترجمہ: اور ہم اللہ تعالیٰ (کی ذات وصفات) کے بارے میں بے دلیل بحثوں میں نہیں پڑتے اور نہ ہی ہم (بے جا شبہات کی بنیاد پر) اللہ کے دین کے معاملے میں (اہلِ حق کے ساتھ) جھگڑتے ہیں۔

54– وَلَا نُجَادِلُ فِيْ الْقُرآنِ،وَ نَشْهَدُ أَنَّهُ كَلَامُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ، فَعَلَّمَهُ سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ كَلَامُ اللهِ تَعَالىٰ لَا يُسَاوِيْهِ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَلَا نَقُوْلُ بِخَلْقِهِ، وَلَا نُخَالِفُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمہ: اور ہم قرآن کے بارے میں (بھی بے جا بحثیں اور) جھگڑے نہیں کرتے، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جسے الروح الامین (جبرائیل علیہ السلام) لے کر اترے اور اسے تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور یہ اللہ کا کلام ہے، مخلوق میں سے کسی کا کلام اس کے برابر اور جوڑ کا نہیں، اور ہم اسے مخلوق نہیں کہتے اور (اس بات میں) مسلمانوں کی جماعت سے اختلاف نہیں کرتے۔

55– وَ لَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ.

ترجمہ: اور ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو گناہ کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتے جب تک وہ اس گناہ کو جائز و حلال نہ سمجھے۔

تشریح

- اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی شخص کو گناہ کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جس کسی کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا (اگر گناہ گار ہو تو پہلے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار) جہنم سے نکال دیا جائے گا[1]"۔

---

[1] سنن الترمذي:(باب ما جاء في الكبر:4/361)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ کی وجہ سے کوئی انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اگر وہ اسلام سے خارج ہوتا تو اس کو سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نہ نکالا جاتا۔

- "مَا لَمْ يَسْتَحِلَّهُ": یعنی اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہنے کی شرط یہ ہے کہ وہ گناہ کو جائز نہ سمجھے، اگر وہ کسی یقینی گناہ کو جائز سمجھے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اس کا مسلمان ہونے کا دعویٰ اور قبلہ کی طرف نماز پڑھنا اسے کوئی کام نہ دے گا۔

56– وَلَا نَقُولُ: لَا يَضُرُّ مَعَ الْإِيْمَانِ ذَنْبٌ لِمَنْ عَمِلَهُ.

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں (مانتے اور) کہتے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کرنے والے کا گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔

تشریح

- یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے اس غلط خیال کی تردید کے لیے مندرجہ بالا جملے کا اضافہ فرمایا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ گناہ کی تباہ کاریاں اور نقصانات اپنی جگہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸﴾ (الزلزال:8)

ترجمہ: اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، اسے (قیامت کے دن) دیکھ (اور بھگت) لے گا۔

57– وَ نَرْجُوْ لِلْمُحْسِنِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ، وَ يُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهِ ، وَ لَا نَأْمَنُ عَلَيْهِمْ ، وَ لَا نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ ، وَ نَسْتَغْفِرُ لِمُسِيْئِهِمْ ، وَ نَخَافُ عَلَيْهِمْ ، وَ لَا نُقَنِّطُهُمْ.

ترجمہ: اور نیکوکار مؤمنوں کے بارے میں ہم (اللہ سے) یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا لیکن ہم ان کے بارے میں (سو فیصد) بے خوف (اور مطمئن) بھی نہیں ہیں۔ اور ہم ان کے حق میں جنتی ہونے کی گواہی بھی نہیں دیتے۔ اور ہم گناہ گار مؤمنوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم ان کے بارے میں خدشہ رکھتے ہیں (کہ شاید انہیں عذاب ہو لیکن) ہم انہیں (اللہ کی رحمت سے) مایوس نہیں کرتے۔

تشریح

- نیک لوگوں کا جنت میں داخل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگا، اعمال سے نہیں، اس لیے ہم ان کے لیے دخولِ جنت کی امید تو رکھتے ہیں، لیکن ایسے اعمال کے ارتکاب سے محفوظ نہیں سمجھتے جو ایمان یا اعمالِ صالحہ کے ثواب کو ختم کردینے والے ہیں۔ اور نہ ہی یقین کے ساتھ دخولِ جنت کی گواہی دیتے ہیں، سوائے ان حضرات کے جن کے جنتی ہونے کی بشارت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا حضور ﷺ نے احادیث میں دی ہے۔
- اسی طرح ہر گناہ گار مسلمان کا جہنم میں جانا ضروری نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کر کے گناہوں کی سزا دے اور پھر جنت میں داخل کردے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے معاف کر کے جنت میں داخل کردے، اس لیے کسی بھی گناہ گار کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، مؤمن کی یہی شان ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ [الإسراء: 57]

ترجمہ: اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

58- وَالْأَمْنُ وَالْإِيَاسُ يَنْقُلَانِ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ وَسَبِيْلُ الْحَقِّ بَيْنَهُمَا لِأَهْلِ الْقِبْلَةِ.

ترجمہ: اور (اللہ کے عذاب سے) بے خوف ہونا اور (اس کی رحمت سے) مایوس ہونا (بندے کو) اسلام سے خارج کردیتا ہے اور اہل قبلہ کے لیے حق کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

تشریح

- اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہونے سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ صحیح اور درست روش یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

اَلْإِیْمَانُ

59– وَلَا يَخْرُجُ الْعَبْدُ مِنَ الْإِيْمَانِ إِلَّا بِجُحُوْدِ مَا أَدْخَلَهُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور بندہ ایمان کے دائرہ سے نہیں نکلتا ہے مگر اس چیز کے انکار سے جس نے اسے ایمان کے دائرے میں داخل کیا تھا۔

تشریح

- جن بنیادی باتوں کی تصدیق اور اقرار کرنے سے انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے ان میں سے کسی بھی بات کا انکار کرنے سے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

60– وَالْإِيْمَانُ هُوَ الْإِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِيْقُ بِالْجَنَانِ.

ترجمہ: اور ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔

تشریح

- حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو شریعت لائے ہیں اس کی ہر ہر بات کی دل کی گہرائیوں سے تصدیق کرنا اور بوقت ضرورت اس کا اقرار کرنا "ایمان" کہلاتا ہے، جو شخص ایسا کرے وہ "مؤمن" کہلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ جوں جوں نیک عمل کرتا جاتا ہے توں توں اس کا ایمان مکمل ہوتا جاتا ہے، صرف تصدیق واقرار کرنے سے ایمان مکمل نہیں ہوتا اس لیے کہ ایمان کی تکمیل کے لیے نیک عمل کا ہونا بہت ضروری ہے۔

61– وَ أَنَّ جَمِيْعَ مَا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰی فِيْ الْقُرْآنِ وَ جَمِيعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرْعِ وَالبَيَانِ كُلُّهُ حَقٌّ.

ترجمہ: اور وہ پوری کی پوری شریعت اور سارے کا سارا بیان برحق ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کیا اور جو حضور ﷺ سے (صحیح سند کے ساتھ) ثابت ہے۔

62– وَالْإِيْمَانُ وَاحِدٌ،وَ أَهْلُهُ فِي أَصْلِهِ سَوَاءٌ ،وَ التَّفَاضُلُ بَيْنَهُمْ بِالْخَشْيَةِ وَ التُّقَى وَ مُخَالَفَةِ الْهَوَى وَ مُلَازَمَةِ الْأَوْلَى.

ترجمہ: اور ایمان ایک (ہی) ہے، اور (سب) ایمان والے اصل ایمان میں برابر ہیں اور ان میں سے بعض کی بعض پر فضیلت، اللہ کے خوف و تقویٰ، خواہشاتِ نفس کی مخالفت اور نیک اعمال کرتے رہنے کی بنیاد پر ہے۔

تشریح

◀ اس شخص کا ایمان کامل ایمان ہے جو دل سے تصدیق کرے، زبان سے اقرار کرے اور اس کے ساتھ ساتھ نیک اعمال بجالاتا رہے، لیکن جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر اس سے اعمال میں کوتاہی ہوتی ہے، یا نیک اعمال کرتا ہی نہیں تو بھی ایسا آدمی مؤمن کہلاتا ہے، گویا کہ ایمان کا ابتدائی درجہ تصدیق کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے۔

◀ زبان سے اگر کوئی شخص اقرار کرے مگر دل سے تصدیق نہ کرے تو ایسا شخص مؤمن نہیں بلکہ "منافق" کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز دلی تصدیق ہے اور اس دلی تصدیق میں تمام مؤمن برابر ہیں البتہ یقین کے اعتبار سے مؤمنین کے درجات مختلف ہوتے ہیں، ظاہر ہے اللہ کے پیغمبروں اور فرشتوں کا جو یقین ہے اس طرح کا یقین عام مؤمنوں کو کہاں حاصل ہو سکتا ہے پھر عام مؤمنوں میں بھی بعض لوگ انتہائی پختہ یقین کے مالک ہوتے ہیں اور بعض کم درجہ کے یقین کے، حتی کہ بعض کے ہاں آخری درجہ صرف تصدیق کا رہ جاتا ہے، تصدیق کا یہ ابتدائی درجہ تمام مؤمنین کے ہاں ایک جیسا ہے اور وہ سب اس میں برابر ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "شرح الفقه الأكبر" میں فرماتے ہیں:

"وَإِنَّ الإِيمَانَ لاَ يَقبَلُ الزِّيَادة وَالنُّقصَانَ مِن حَيثُ أَصلِ التَّصدِيقِ ، لاَ مِن جهة اليَقِينِ، فَإِنَّ مَرَاتِبَ أهلها مُختَلِفة" (شرح الفقه الأكبر: ٧٨)

ترجمہ: (یہ جو کہا گیا ہے کہ) ایمان زیادتی ونقصان قبول نہیں کرتا تو یہ باعتبار اصل تصدیق کے ہے، نہ کہ باعتبار یقین کے، اس لیے کہ یقین والوں کے مراتب مختلف ہیں۔

63- وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ أَوْلِيَاءُ الرَّحْمٰنِ ، وَ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَطْوَعُهُمْ وَ أَتْبَعُهُمْ لِلْقُرْآنِ.

ترجمہ: اور تمام مؤمنین اللہ کے دوست ہیں، اور ان میں زیادہ بزرگی اور مرتبے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ اطاعت کرنے والا ہو اور قرآنی احکام کی زیادہ پیروی کرنے والا ہو۔

تشریح

◀ سب مؤمن اللہ کے دوست ہیں اور اس دوستی میں سب برابر ہیں، جیسے کہ تصدیق کے معاملے میں سب مؤمن یکساں اور برابر ہیں، البتہ اس دوستی کے درجات میں فرق ہے جیسے کہ یقین کے درجات میں فرق ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ [یونس:63.62]

ترجمہ: یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، (اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان لائے اور گناہوں سے پرہیز کرتے رہے۔

- مؤمنین میں جو جتنا تقویٰ والا ہے اتنا ہی اللہ کا ولی (دوست) اور بزرگی والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ [الحجرات: 13]

ترجمہ: بے شک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

64– وَالْإِيمَانُ هُوَ الْإِيْمَانُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ وَحُلْوِهِ وَمُرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور ایمان (در حقیقت) اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے پیغمبروں کو، یومِ آخرت کو، موت کے بعد زندہ اٹھائے جانے کو اور تقدیر (یعنی) ہر خیر و شر اور ہر میٹھے (خوشگوار) اور کڑوے (ناموافق) معاملے کے اللہ کی طرف سے ہونے کو سچے دل سے ماننے کا نام ہے۔

تشریح

- اس عبارت میں ایمان کے چھ ارکان کا ذکر ہے، جو درج ذیل ہیں:

1. اللہ پر ایمان
2. فرشتوں پر ایمان
3. اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان
4. اللہ کے رسولوں پر ایمان
5. آخرت کے دن پر ایمان
6. تقدیر پر ایمان

یہ ارکان اسی ترتیب کے ساتھ ایک حدیث میں مذکور ہیں جسے "حدیثِ جبرائیل" کہتے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک دن ایک نوجوان آدمی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لائے اور آپ سے دین کے بارے میں چند سوالات پوچھے جن میں سے ایک سوال ایمان کے بارے میں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ[1]﴾

ترجمہ: ایمان اسے کہتے ہیں کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر، یوم آخرت پر اور تقدیرِ خیر و شر (دونوں) پر ایمان لاؤ۔

- اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے ٹھیک اسی طرح مانا جائے جیسے ماننے کا حکم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے، اور بوقت ضرورت زبان سے اس کا اقرار بھی کیا جائے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دوسرا نام "توحید" ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے یہ بات مانی جائے اور بوقت ضرورت زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ایسی ہے جسے اس نے نور سے پیدا کیا ہے، یہ مخلوق "ملائکہ" کہلاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتی، یہ ہمیں نظر نہیں آتی، یہ بہت طاقت ور ہے، اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض بڑے بڑے کام سونپ رکھے ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ ان میں سے چار مشہور فرشتے یہ ہیں:

1 حضرت جبرائیل علیہ السلام
2 حضرت میکائیل علیہ السلام
3 حضرت اسرافیل علیہ السلام
4 ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السلام)

- اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے یہ بات مانی جائے اور بوقت ضرورت زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں پر مختلف کتابیں نازل کیں، جن کی تعداد کا علم صرف اللہ کو ہے، ان کتابوں میں مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

1 تورات 2 زبور 3 انجیل 4 قرآن کریم

- قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب ہے، اس نے پچھلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، اس لیے اس کا ایک ایک حرف آج تک محفوظ ہے اور

---

[1] صحيح مسلم ،باب معرفة الايمان والاسلام والقدر: (1/ 37)

تا قیامت محفوظ رہے گا۔

- اللہ کے پیغمبروں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو دل سے مانا جائے اور بوقت ضرورت زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے بعض مَردوں کو چنا، ان پر وحی نازل کی اور مخلوق کی ہدایت کا کام انہیں سونپا، ان میں سے بعض پر کتابیں نازل کیں۔ یہ تمام پیغمبر پاک باز اور نیک تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو بغیر کسی کمی بیشی کے لوگوں تک پہنچایا، ان میں سے بعض کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اکثر کے نام ذکر نہیں کیے گئے۔
- سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں۔
- "ایمان بالرسل" اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے آخری پیغمبر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو آخری شریعت نہ مانا جائے۔
- "یوم آخرت پر ایمان" کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس بات کو مانا جائے اور بوقت ضرورت زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ ایک دن یہ کائنات ختم ہو جائے گی، اس دن کا نام "قیامت" ہے، اس کے بعد تمام مُردوں کو زندہ کیا جائے گا، حساب وکتاب ہوگا، نیک لوگوں کو جنت میں بھیجا جائے گا اور گناہ گار مسلمانوں کو ایک وقت مقررہ کے لیے جہنم میں ڈالا جائے گا، جب کہ کفار ومشرکین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔
- "تقدیر کے خیر وشر پر ایمان" کا مطلب یہ ہے کہ دل سے یہ بات مانی جائے اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور آئندہ ہوگا وہ سب اللہ کے حکم سے ہے اور ہر چیز پہلے سے لکھ دی گئی ہے۔

65- وَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِذٰلِكَ كُلِّهِ وَ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَنُصَدِّقُهُمْ كُلَّهُمْ عَلَى مَاجَاؤُوْا بِهِ.

ترجمہ: اور ہم ان تمام (ارکانِ ایمان) پر ایمان لانے والے ہیں، اللہ کے پیغمبروں میں کوئی تفریق نہیں کرتے، اور وہ جو (خبریں اور احکام) اللہ کی طرف سے لائے ان سب کی ہم تصدیق کرتے ہیں۔

تشریح

- ایمان کے چھ ارکان کو ماننا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک رکن کا انکار کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔
- اللہ کے پیغمبروں میں تفریق نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سب کو مانا جائے، بعض کو مان کر بعض کا انکار یا توہین نہ کی جائے۔

أَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُخَلَّدُوْنَ فِيْ النَّارِ

66- وَأَهْلُ الْكَبَائِرِ [1] فِيْ النَّارِ لَا يُخَلَّدُوْنَ إِذَا مَاتُوْا وَهُمْ مُوَحِّدُوْنَ وَإِنْ لَمْ يَكُوْنُوا تَائِبِيْنَ بَعْدَ أَنْ لَقُوْا اللهَ عَارِفِيْنَ مُؤْمِنِيْنَ وَهُمْ فِي مَشِيْئَتِهِ وَحُكْمِهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ وَعَفَا عَنْهُمْ بِفَضْلِهِ كَمَا ذَكَرَ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ:(وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ)[النساء: 48 و 116]وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ فِي النَّارِ بِعَدْلِهِ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ مِنْهَا بِرَحْمَتِهِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِينَ مِنْ أَهْلِ طَاعَتِهِ ثُمَّ يَبْعَثُهُمْ إِلَى جَنَّتِهِ وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى تَوَلَّى أَهْلَ مَعْرِفَتِهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُمْ فِي الدَّارَيْنِ كَأَهْلِ نَكِرَتِهِ الَّذِيْنَ خَابُوْا مِنْ هِدَايَتِهِ وَلَمْ يَنَالُوْا مِنْ وِلَايَتِهِ. اَللّٰهُمَّ يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ ثَبِّتْنَا عَلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى نَلْقَاكَ بِهِ.

ترجمہ: اور کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رکھے جائیں گے جب کہ وہ عقیدۂ توحید رکھنے کی حالت میں مرے ہوں، اگرچہ انہوں نے (کبیرہ گناہوں سے) توبہ نہ کی ہو، بشرطیکہ ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ہوئی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے اور اس پر ایمان لانے والے ہوں۔ اور ان کا معاملہ اللہ کی مشیّت اور حکم پر موقوف ہو گا، اگر وہ چاہے گا تو ان کو اپنے فضل سے بخش دے گا اور معاف کر دے گا، جیسے کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرمایا: ﴿شرک سے کم جو بھی گناہ ہے اللہ جس کے حق میں چاہے

---

[1] عقیدہ طحاویہ کے بعض نسخوں میں "أهل الكبائر" کے ساتھ "من أمة محمد ﷺ" کا اضافہ ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ اضافہ نہ ہو، اس لیے کہ اہل کبائر کے ساتھ جس خصوصی معاملے کا ذکر کیا گیا ہے وہ امت محمد ﷺ کے افراد کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ جس کسی کے دل میں ایمان کا نور موجود ہو وہ ہمیشہ کیلیے جہنم میں نہیں رہے گا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: يقول الله تعالى: «أخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان. صحيح البخاري، باب تفاضل أهل الايمان في الاعمال: (1/ 13)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائیں گے: "جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دو"۔

اس قسم کے گناہ کی مغفرت فرمادے گا اور اگر چاہے تو انہیں اپنے عدل وانصاف سے جہنم کا عذاب دے گا، پھر اپنی رحمت سے اور اس کی اطاعت کرنے والے سفارشیوں کی سفارش کی وجہ سے جہنم سے نکال دے گا، پھر انہیں جنت میں بھیج دے گا، یہ سب کچھ اس لیے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنا دوست قرار دے رکھا ہے اور انہیں دونوں جہانوں میں اس کا انکار کرنے والوں کی طرح نہیں قرار دیا، جو اس کی ہدایت سے محروم ہوئے اور اس کی دوستی میں سے انہوں نے کوئی بھی حصہ نہیں پایا، اے اللہ! اے اسلام اور اہل اسلام کے دوست! ہمیں اسلام پر اس وقت تک ثابت قدم رکھ جس وقت کہ تجھ سے ہماری ملاقات ہو۔

تشریح

- جو مؤمن بندہ ایمان کی حالت میں مرے وہ چاہے کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا۔
- ایسے بندے کو اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنی رحمت سے بخش دے گا اور جنت میں داخل کر دے گا، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا ہے کہ شرک سے کم جتنے گناہ ہیں اللہ انہیں معاف کر دے گا۔
- اور اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرنا چاہے بلکہ اپنے عدل سے اسے جہنم میں ڈالنا چاہے تو جہنم میں ڈالنے کے بعد بھی اپنے رحم سے اور انبیاء وصالحین کی سفارش سے اسے جہنم سے نکال کر جنت بھیج دے گا۔
- جس نے شرک کیا اسے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر گز معاف نہیں کرے گا، بلکہ اسے ہمیشہ کے لیے جہنم کی سزا بھگتنی پڑے گی۔
- مؤمن اور مشرک کے درمیان یہ فرق اس لیے ہے کہ اللہ کو ایمان اور ایمان والے لوگ بہت پسند ہیں، اللہ نے انہیں اپنے دوست قرار دیا ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ دنیا وآخرت میں خصوصی معاملہ فرماتا ہے۔
- مؤمن کے ساتھ مندرجہ بالا سلوک اس وقت ہو گا جب اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد توبہ نہ کی ہو اور اسی حالت میں اس کی موت آگئی ہو، اور اگر اس نے موت سے قبل توبہ کر لی ہو اور اللہ

تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کرلی ہو تو اس کے گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے براہ راست جنت میں داخل ہو گا۔

- "کبیرہ" بڑے گناہ کو کہتے ہیں، اس کی جمع "کبائر" ہے، جب کہ چھوٹے گناہ کو "صغیرہ" کہتے ہیں اور اس کی جمع "صغائر" ہے۔
- کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اور صغیرہ گناہ نیکیوں سے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔
- کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے، اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے مرتکب کے لیے دنیا میں کوئی حدّ (خاص سزا) مقرر ہو، یا اس کے لیے قرآن و حدیث میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہو، یا اس پر لعنت و غضب بھیجا گیا ہو وہ "کبیرہ گناہ" کہلاتا ہے۔

67- وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَعَلَى مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: اہل قبلہ میں سے ہر نیک اور گناہ گار کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم جائز سمجھتے ہیں، اور ان (اہل قبلہ) میں سے جو (بھی نیک یا گناہ گار) مر جائے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو (بھی) ہم جائز سمجھتے ہیں۔

تشریح

- ہم اہل قبلہ[1] کے پیچھے نماز پڑھنا درست سمجھتے ہیں خواہ وہ نیک ہوں یا فاسق، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اسی بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما مشہور صحابیِ رسول، حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے[2]۔

---

[1] اہل قبلہ کی وضاحت عقیدہ نمبر 52 کے تحت گزر چکی ہے۔

[2] مصنف ابن أبي شيبة: باب في الصلاة خلف الامراء (2/ 152)

68- وَلَا نُنْزِلُ أَحَدًا مِنْهُمْ جَنَّةً وَلَا نَارًا وَلَا نَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرٍ وَلَا بِشِرْكٍ وَلَا بِنِفَاقٍ مَا لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ وَنَذَرُ سَرَائِرَهُمْ إِلَى اللهِ تَعَالَى.

ترجمہ: اور ہم ان (اہل قبلہ) میں سے کسی کو جنت یا جہنم کا مستحق نہیں ٹھہراتے اور نہ ہی ہم ان کے بارے میں کفر، شرک اور نفاق کی گواہی دیتے ہیں جب تک ان سے اس قسم کی کوئی بات ظاہر نہ ہو، اور ان کے پوشیدہ احوال کو ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔

تشریح

- کسی معین شخص یا جماعت کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے، اس لیے کہ کسی کے بارے میں کسی کو بھی خبر نہیں کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفر پر، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاں، فلاں عقائد اور اعمال والے لوگ جنت کے مستحق ہیں اور فلاں، فلاں عقائد اور اعمال والے لوگ جہنم کی سزا کے مستحق ہیں، البتہ وہ خوش قسمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ جنتی ہیں ان کو جنتی ماننا ضروری ہے۔
- جب تک کسی شخص کے کفر، شرک یا نفاق کی کوئی واضح علامت سامنے نہ آئے اس وقت تک اسے کافر، مشرک یا منافق نہیں کہا جاسکتا۔

69- وَلَا نَرَى السَّيْفَ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ السَّيْفُ.

ترجمہ: اور ہم امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فرد کے خلاف تلوار (اسلحہ) اٹھانا جائز نہیں سمجھتے، سوائے اس کے کہ جس کے خلاف تلوار (اسلحہ) اٹھانا واجب ہو جائے۔

تشریح

- کسی مسلمان کو قتل کرنا اور اس کا خون بہانا قطعاً جائز نہیں، البتہ تین صورتوں میں مسلمان کا قتل جائز ہے:

1- کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کردے تو "خون کا بدلہ خون" کے اصول کے تحت اس کو قتل کیا جائے گا۔

2- کوئی شادی شدہ شخص جو مکلف، مسلمان اور آزاد ہو زنا کرے تو اس کو سنگسار کرکے قتل کیا جائے گا۔

3- جو مسلمان مَرد مرتد ہو جائے یعنی دین سے نکل جائے تو اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَحِلُّ دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمارق من الدين التارك للجماعة[1]﴾

ترجمہ: وہ مسلمان جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی کہ میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں اس کا خون (بہانا) تین صورتوں کے سوا حلال نہیں: یہ کہ یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا (مقتول کی) جان کے بدلے (قاتل کی) جان (لینے) کا معاملہ ہو یا کوئی اپنے دین سے پھرنے والا اور مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو۔

- واضح رہے کہ ان تینوں صورتوں میں مجرم کو قتل کرنے کا حق ہر آدمی کو حاصل نہیں، بلکہ یہ حق صرف حاکمِ وقت یا قاضی کو حاصل ہے۔

وُجُوْبُ طَاعَةِ الْأَئِمَّةِ وَالْوُلَاةِ

70- وَلَا نَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَئِمَّتِنَا وَ وُلَاةِ أُمُوْرِنَا وَ إِنْ جَارُوْا وَ لَا نَدْعُوْ عَلَيْهِمْ وَ لَا نَنْزِعُ يَدًا مِنْ طَاعَتِهِمْ وَنَرَى طَاعَتَهُمْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرِيضَةً مَا لَمْ يَأْمُرُوْا بِمَعْصِيَةٍ وَنَدْعُوْ لَهُمْ بِالصَّلَاحِ وَالْمُعَافَاةِ.

ترجمہ: اور ہم اپنے حکمرانوں اور انتظامی امور کے ذمہ داروں کے خلاف بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ یہ (حکمران وانتظامی ذمہ دار) ظالم ہوں، اور ہم ان کو بددعا نہیں دیتے اور ان کی اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچتے، اور ہم ان کی اطاعت کو اللہ عزّ وجلّ کی اطاعت سمجھتے ہوئے فرض سمجھتے ہیں، جب تک کہ یہ (لوگ) گناہ کا حکم نہ دیں، اور ہم ان کے لیے خیر وعافیت کی دعا مانگتے ہیں۔

تشریح

- مذکورہ بالا عبارت میں دو اہم مسئلے ذکر کیے گئے ہیں:

1 حکمران کے خلاف خروج (مسلح کارروائی)　2 حکمران کی اطاعت اور اس کی حدود

---

[1] صحيح البخاري: (9/ 5)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "اسلام اور سیاسی نظریات" میں ان دونوں مسئلوں کو انتہائی تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کے چند اہم حصے یہاں لفظ بہ لفظ نقل کیے جا رہے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

حکمران کے خلاف خروج (مسلح کارروائی)

"حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار مختلف عنوانات اور مختلف اسالیب سے یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص خلیفہ یا امیر بن جائے تو چاہے وہ فسق کا ارتکاب کرے یا لوگوں پر ظلم کرے، کسی بھی حالت میں اس کے خلاف مسلح بغاوت نہ کرو، تاکہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی نوبت نہ آئے۔

أَلَا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ، فَرَآهُ يَأْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ، فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِيْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللهِ، وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ[1].

یعنی: "اچھی طرح سن لو کہ جس شخص پر کوئی حکمران بنا ہو، پھر وہ اس کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا وہ ارتکاب کر رہا ہے، اسے برا سمجھے، لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے"۔[2]"

امیر کے خلاف ہتھیار اٹھا کر اس کا تختہ الٹنے کی کوشش صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے جب اس سے کھلا کفر سرزد ہو جائے اس میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ بالکل کھلا ہوا کفر ہو جس کے بارے میں ہر شخص یہ سمجھ سکے کہ یہ کفر کی بات ہے (اسی لیے "کفر" کے ساتھ "بواح" کی قید ہے) اور اس بات کے کفر ہونے پر بھی اور امیر کی طرف سے اس کے سرزد ہونے پر بھی واضح ثبوت یا دلیل موجود ہو، محض سنی سنائی باتوں یا قیاسات اور اندازوں یا پروپیگنڈے کی بنیاد پر اس کے کافر ہونے کی رائے قائم نہ کرلی گئی ہو۔

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حدیث میں "إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا" کے جو الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں، ان سے مراد آنکھوں سے دیکھ لینا ہے، محض رائے قائم کرلینا نہیں، کیونکہ رؤیت کو یہاں ایک مفعول کی طرف متعدی کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رؤیت

---

[1] صحیح مسلم (3/ 1482)

[2] اسلام اور سیاسی نظریات: 363

عین مراد ہے، اگر رؤیت قلب مراد ہوتی تو متعدی الی مفعولین ہوتا۔ اور رؤیتِ عین کے معنی یہ ہیں کہ بالکل آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے، محض شبہ ہو یا قیاس آرائی کی گئی ہو تو اس وقت خروج جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس کا کفر ہونا بھی متفق علیہ ہو اور امیر سے اس کا صدور بھی یقینی ہو تب خروج جائز ہو گا۔

نیز دو شرطیں اور ظاہر ہیں: ایک یہ کہ اس کو طاقت کے ذریعے ہٹا دینے کی قدرت ہو۔

اور دوسرے یہ کہ اس کو ہٹانے میں اور کوئی اس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً یہ غالب گمان ہو کہ اس کو ہٹانے کے بعد بھی طالبانِ اقتدار کے درمیان جنگ جاری رہے گی، اور کسی ایک شخص پر لوگ متفق نہیں ہو سکیں گے، اور تمام تر جدوجہد کے بعد بھی عوام کو مسلسل خونریزی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، یا اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی دشمن ملک چڑھائی کر کے ملک پر قبضہ کر لے گا اور ابھی تک تو صرف امیر ہی کافر تھا اب پورا ملک (معاذ اللہ) دار الاسلام کی حیثیت کھو بیٹھے گا، اور دشمن ملک کے تسلط سے دار الکفر میں تبدیل ہو جائے گا[1]۔

حکمران کی اطاعت اور اس کی حدود

قرآن وسنت کا حکم یہ ہے کہ عوام پر امام (حکمران) کی اطاعت واجب ہے۔ یعنی حکمران جب قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے احکام جاری کرے، تو ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: 59]

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور ان کی جو تم میں صاحب اختیار ہیں[2]"۔

امیر کی اطاعت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو یہ ہے کہ جب امام کسی مباح کام کا حکم دے تو عوام کے ذمہ وہ کام شرعاً واجب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ امام جب کہے کہ آج کے دن سب روزہ رکھیں، تو عوام پر روزہ رکھنا واجب ہو جائے گا[3]۔

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات: 365-366

[2] اسلام اور سیاسی نظریات: 277

[3] اسلام اور سیاسی نظریات: 277-278

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو معاملات مجتہد فیہ ہیں یعنی جن کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے کہ ایک مجتہد کے مذہب میں وہ جائز ہے اور دوسرے کے مذہب میں ناجائز، ان کے بارے میں امام جو حکم دے دے، وہ جانب متعین ہو جاتی ہے[1]۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مباح کی شرعی حیثیت تبدیل ہو گئی، بلکہ اصل شریعت کے لحاظ سے وہ اب بھی مباح ہے، لیکن اطاعتِ امام کی وجہ سے وہ واجب یا ناجائز ہو گیا ہے۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے ٹریفک کے جو قواعد نافذ کیے جاتے ہیں، شہریوں پر ان کی پابندی شرعاً بھی لازم ہے[2]۔

یہ ساری باتیں اس وقت ہیں جب امام کا حکم یا تو مباحات سے متعلق ہو یا مجتہد فیہ مسئلے سے متعلق ہو۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسا حکم جاری کر دے جو شریعت کے مسلّم اور اجماعی احکام کے خلاف ہو تو اس وقت عوام پر اس حکم کی اطاعت واجب نہیں[3]۔

اِتِّبَاعُ اَهلِ السُّنَّةِ وَ الجْمَاعَةِ

71– وَ نَتَّبِعُ السُّنَّةَ وَ الْجَمَاعَةَ وَ نَجْتَنِبُ الشُّذُوْذَ وَ الْخِلَافَ وَ الْفُرْقَةَ.

ترجمہ: اور ہم سنت (نبی کے طریقے) اور (صحابہ کی) جماعت کی اتباع کرتے ہیں اور (اہلُ السنۃ والجماعۃ کے راستے سے ہٹ کر) اپنا الگ راستہ اختیار کرنے، (ان کی) مخالفت کرنے اور تفرقہ بازی سے دور رہتے ہیں۔

تشریح

- "سنت" سے مراد حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول، عمل یا خاموش تائید سے جس چیز کا حکم دیا ہے، وہ سب سنت ہے اور اس کی اتباع ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ [آل عمران: 31]

ترجمہ: (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات: 280

[2] اسلام اور سیاسی نظریات: 278

[3] اسلام اور سیاسی نظریات: 280-281

- "جماعت" سے مراد جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب بہتّر (72) فرقوں میں بٹے اور یہ امت تہتّر (73) فرقوں میں بٹے گی، سوائے ایک فرقہ کے اور وہی "الجماعۃ" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کونسی جماعت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ، وہ جماعت ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر (چلنے والی) ہو[1]۔
- مندرجہ بالا آیت وحدیث کی روشنی میں کامیاب اور ہدایت یافتہ وہی لوگ قرار پاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے والے ہوں، یہ لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور جماعتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنے والے ہیں اس لیے ان لوگوں کا نام "اہلُ السنۃ والجماعۃ" پڑ گیا ہے۔

72– وَ نُحِبُّ أَهْلَ الْعَدْلِ وَ الْأَمَانَةِ وَ نُبْغِضُ أَهْلَ الْجَوْرِ وَ الْخِيَانَةِ.

ترجمہ: اور ہم انصاف وامانت والوں سے محبت کرتے ہیں اور ظلم وخیانت کرنے والوں سے نفرت کرتے ہیں۔

تشریح

- اللہ تعالیٰ بے انصاف اور بددیانت لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں اور انصاف والے اور امانت دار لوگوں کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے پسند کرے اس سے محبت رکھنا اور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرے اس سے نفرت کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔
- مؤمن بندے کی محبت و نفرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ[2]﴾

ترجمہ: جس شخص نے کسی کے ساتھ اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے نفرت کی اور اللہ کے لیے (مال و غیرہ کسی کو) دیا اور اللہ کے لیے (مال وغیرہ کسی کو دینے سے) باز رہا تو اس نے ایمان (کا تقاضا) پورا کر لیا۔

73– وَنَقُولُ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ فِيمَا اشْتَبَهَ عَلَيْنَا عِلْمُهُ[3].

ترجمہ: اور ہم (یہ مانتے اور) کہتے ہیں کہ جن باتوں کا علم ہم سے پوشیدہ ہے انہیں اللہ بہتر جانتا ہے۔

---

1. سنن الترمذي، باب ما جاء في افتراق هذه الامة، (5/ 26)
2. سنن أبي داود، باب الدليل علي زيادة الايمان و نقصانه (4/ 220)
3. یہ وہی بات ہے جس کا ذکر عقیدہ نمبر 33 میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: "وَرَدَّ عِلْمَ مَااشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلٰى عَالِمِهِ"۔

74– وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ كَمَا جَاءَ فِيْ الْأَثَرِ.

ترجمہ: اور ہم موزوں پر مسح کو سفر واقامت (دونوں حالتوں) میں جائز سمجھتے ہیں، جیسے کہ (اس کے جواز کا ذکر) حدیث میں آیا ہے۔

تشریح

- حضور ﷺ سے موزوں پر مسح کرنے کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے جس کے بعد اس مسئلے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اس کے باوجود بعض لوگوں نے موزوں پر مسح کے جواز کا انکار کیا ہے، اس لیے موزوں پر مسح کرنا "اہلُ السنۃ والجماعۃ" کی علامات میں شمار ہوتا ہے، اس وجہ سے اس مسئلہ کو عقیدہ کی کتاب میں ذکر کیا گیا ہے، وگرنہ اس کے ذکر کی اصل جگہ فقہ کی کتابیں ہیں۔

وُجُوبُ الْحَجِّ وَالْجِهَادِ اِلي يَومِ القِيَامَةِ

75– وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ فَرْضَانِ مَاضِيَانِ مَعَ أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ لَا يُبْطِلُهُمَا شَيْءٌ وَلَا يَنْقُضُهُمَا.

ترجمہ: حج ادا کرنا اور جہاد کرنا مسلمانوں کے نیک وبد (ہر طرح کے) حکمرانوں کے ساتھ مل کر (ان کی نگرانی میں) تاقیامت جاری رہے گا۔ ان دونوں (کی فرضیت کے حکم کو) کوئی بھی چیز نہ ختم کر سکتی ہے اور نہ ہی توڑ سکتی ہے۔

تشریح

- "لَا يُبْطِلُهُمَا" اور "لَا يَنْقُضُهُمَا" ان دونوں الفاظ کا ایک ہی مطلب ہے، یعنی ان کی فرضیت کو کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی۔

حج وجہاد کی فرضیت قرآن وسنت کے محکم دلائل سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین ظالم وجابر حکمرانوں کی امارت میں حج وجہاد کے فریضے ادا کرتے رہے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی حکمران کے ظالم ہونے سے یہ فریضے ختم نہیں ہوجاتے۔

اَلْاِيمَانُ بِالْمَلَائِكَةِ

76– وَنُؤْمِنُ بِالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ فَإِنَّ اللهَ قَدْ جَعَلَهُمْ عَلَيْنَا حَافِظِيْنَ.

ترجمہ: اور ہم "کراماً کاتبین" (اعمال لکھنے والے معزز فرشتوں) پر ایمان لاتے ہیں، اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں (اعمال لکھ کر) محفوظ کرنے والے (ذمہ داروں کی حیثیت سے) ہمارے اوپر مقرر کر رکھا ہے۔

تشریح

- ہر انسان پر اس کے ہر طرح کے نیک و بد اعمال لکھنے اور محفوظ کرنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں، جنہیں "کِرَامًا کَاتِبِیْن" کہا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝﴾ [الانفطار: 10-11]

ترجمہ: تم پر (تمہارے اعمال لکھ کر) محفوظ کرنے والے (فرشتے) مقرر ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے۔

- یہ فرشتے دل کے ارادوں کو بھی جانتے ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرلے تو اسے (فوراً) نہ لکھو پھر اگر وہ برائی کر گزرے تو (پھر نامہ اعمال میں) ایک برائی لکھو، اور جب میرا بندہ نیکی کا (صرف) ارادہ کرلے اور (اس کے بعد) نہ کرے تو (اس کے نامہ اعمال میں محض ارادے کی وجہ سے) نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ نیکی کرلے تو دس نیکیاں لکھو[1]۔

ایک اور روایت میں ہے: برائی کا ارادہ کرنے والا ارادہ کرنے کے بعد اگر برائی نہیں کرتا تو (اس کے نامہ اعمال میں) نیکی لکھو، اس لیے کہ اس نے اس برائی کو میری خاطر چھوڑا[2]۔

77– وَ نُؤْمِنُ بِمَلَكِ الْمَوْتِ الْمُؤَكَّلِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْعَالَمِيْنَ.

ترجمہ: اور ہم موت کے فرشتے پر ایمان لاتے ہیں جو کہ مخلوقات کی روح قبض کرنے پر مقرر ہے۔

---

[1] صحيح مسلم ،باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، وإذا هم بسيئة لم تكتب ، (1/ 117)

[2] صحيح مسلم ،باب إذا هم العبد بحسنة كتبت، وإذا هم بسيئة لم تكتب ، (1/ 117)

- مخلوقات کی روح قبض کرنے پر ایک فرشتہ مقرر ہے جسے "ملک الموت" کہا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ [السجدة: 11]

ترجمہ: کہہ دو کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کرلے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا۔

- بعض روایتوں میں "ملک الموت" کا نام "عزرائیل" بتایا گیا ہے۔ اس کے ماتحت اور بھی فرشتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ﴾ [الأنعام: 61]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا وصول کرلیتے ہیں، اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے۔

عَذَابُ الْقَبْرْ

78- وَبِعَذَابِ الْقَبْرِ وَ نَعِيْمِهِ لِمَنْ كَانَ لَهُ أَهْلًا وَ سُؤَالِ مُنْكَرٍ وَ نَكِيْرٍ فِيْ قَبْرِهِ عَنْ رَبِّهِ وَدِيْنِهِ وَنَبِيِّهِ عَلَى مَا جَاءَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ. وَ الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ.

ترجمہ: اور (ہم) قبر میں عذاب کے مستحق کو (دیے جانے والے) عذاب اور نعمتوں کے مستحق کو نعمتوں (سے نوازے جانے پر یقین رکھتے ہیں) اور منکر نکیر (نامی فرشتوں) کے مُردے سے قبر میں اس کے رب، دین اور نبی کے بارے میں پوچھنے پر (بھی یقین رکھتے ہیں)، ان روایتوں کی بنیاد پر جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (ہم تک) پہنچی ہیں۔ اور قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا (جہنم کی) آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

تشریح

- عذابِ قبر قرآن وسنت سے ثابت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ [غافر: 45-46]

ترجمہ: اور فرعون کے لوگوں کو بدترین عذاب نے آگھیرا۔ آگ ہے جس کے سامنے انھیں صبح وشام پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آجائے گی (اس دن حکم ہو گا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

- ان آیتوں میں جس عذاب کا ذکر ہے اس کا زمانہ وقوع قیامت سے پہلے بتایا گیا ہے، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد جو عذاب ہے وہی "عذابِ قبر" کہلاتا ہے۔
- موت کے بعد وقوع قیامت تک جو مدت ہے اس کو قرآن کریم میں "برزخ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝﴾ [المؤمنون: 99-100]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہو گی تو وہ کہے گا: میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجیے۔ تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ کر آیا ہوں، اس میں جا کر نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے۔ جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

- "برزخ" آڑ اور پردے کو کہتے ہیں، یہ درمیانی مدت چونکہ قیامت کے دن سے پہلے ایک آڑ اور پردہ ہے اس لیے اس کو "برزخ" کہا گیا ہے۔
- "برزخ" کی زندگی ایک الگ زندگی ہے اور اس کے اپنے جداگانہ احکام ہیں، یہ نہ تو دنیا کی طرح ہے جس میں روح بدن کے تابع ہوتی ہے، اور نہ آخرت کی طرح اعلیٰ ترین زندگی ہے جس میں روح وبدن دونوں اصل ہوں گے اور راحت وغم کو دونوں یکساں محسوس کریں گے، بلکہ برزخ کی زندگی ایک درمیانے درجے کی زندگی ہے جس میں بدن روح کا تابع ہوتا ہے۔
- اس عذاب کا نام عذاب قبر اس لیے ہے کہ اکثر وبیشتر لوگ موت کے بعد قبر میں دفنائے جاتے ہیں، خاص طور سے مسلمان کی لاش اگر کسی حادثہ میں ناپید نہ ہو جائے تو اسے لازمًا قبر میں دفنایا جاتا ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں دفنانے کی نوبت نہیں آتی، جیسے فرعونی سب کے سب پانی میں غرق کر دیئے گئے تھے، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ تا صبح قیامت ان کو عذاب دیتا رہے گا جس کی خبر مندرجہ بالا آیات میں دی گئی ہے، معلوم ہوا کہ عالم برزخ کے اس عذاب کے لیے قبر میں دفنایا جانا ضروری نہیں،

اگرچہ نام اس کا مندرجہ بالا وجہ کی بنا پر عذاب قبر ہے۔

- عالم برزخ کا یہ عذاب بھی ان امور میں سے ہے جن کی تمام ترکیفیات ہمیں معلوم نہیں مگر غیب کی دیگر چیزوں کی طرح اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔
- قرآنِ کریم کے علاوہ احادیث کی اتنی زیادہ صحیح روایات میں عذابِ قبر کی تفصیلات کا ذکر ہے کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قبر کے عذاب اور منکر نکیر کے سوالات کا اجمالی حال ذیل میں لکھا جاتا ہے: ”جب دفنانے والے لوگ مردے کو قبر میں دفنا کر واپس لوٹتے ہیں تو اس کے تھوڑے ہی دیر بعد سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ”منکر“ اور دوسرے کا نام ”نکیر“ ہے، وہ فرشتے مردے کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ اگر مردہ مؤمن ہو، تو کہتا ہے: ”میرا رب اللہ ہے“، اور اگر کافر ہو تو وہ کہتا ہے: ”هَا!هَا! لَا أَدْرِيْ“ ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر وہ سوال کرتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ اگر مردہ مؤمن ہو، تو جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے، اور اگر مردہ کافر ہو تو وہی جواب دیتا ہے، یعنی "ها!ها!لَا أَدْرِيْ"ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر وہ سوال کرتے ہیں: ”یہ شخص کون ہے جو تمھاری طرف بھیجا گیا تھا؟ تو وہ جواب میں وہی: "ها!ها! لَا أَدْرِيْ" کہتا ہے۔

مؤمن جب تمام سوالات کے جواب دے چکتا ہے، تو آسمان سے ایک آواز آتی ہے: ”میرے بندے نے سچ کہا، لہٰذا اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھاؤ اور جنت کی طرف سے دروازہ کھول دو“، چنانچہ اس دروازے سے اس کے لیے جنت کی خوشبو آتی ہے، اور تاحدِّ نظر اس کے لیے قبر کشادہ کر دی جاتی ہے، پھر اس کے پاس اس کا عمل ایک خوبصورت اور خوش لباس مرد کی شکل میں بہترین خوشبو لگائے حاضر ہو کر اسے اس کامیابی وخوشحالی پر مبارک باد دیتا ہے، اور جب کافر ہر سوال کے جواب میں ”ها!ها! لَا أَدْرِيْ“ کہتا ہے تو آسمان سے آواز آتی ہے: ”اس نے جھوٹ بولا، چنانچہ اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور جہنم کی طرف دروازہ کھولو“ جہاں سے اس کی طرف گرمی اور بدبو آتی ہے اور اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور اس کے پاس اس کا عمل ایک بدصورت، بدلباس اور بدبودار شخص کی شکل میں آکر اسے کوستا ہے[1]۔

---

[1] ابوداؤد4753

اَلْإِيمَانُ بيَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا فِيهِ مِنَ الْمَشَاهِدِ

79- وَنُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ وَجَزَاءِ الْأَعْمَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالْعَرْضِ وَالْحِسَابِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالصِّرَاطِ وَالْمِيْزَانِ.

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے، اعمال کی جزا، (بندوں پر ان کے اعمال) پیش کیے جانے، حساب (وکتاب)، اعمال نامہ پڑھے جانے، ثواب وعقاب، پلِ صراط اور میزان پر ایمان رکھتے ہیں۔

تشریح

بعث

- قیامت یعنی پہلا صور پھونکے جانے کے کچھ عرصہ[1] بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام دوبارہ صور پھونکیں گے، جس سے تمام لوگ زندہ ہو جائیں گے، اس کو "بعث" کہتے ہیں، قرآن وحدیث میں اس کا ذکر ہے۔

نامہ اعمال

- انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے، فرشتے اس کو ایک اعمال نامے میں لکھتے رہتے ہیں، یہ فرشتے "کراما کاتبین" کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں کے اعمال نیک ہوں گے، قیامت کے دن ان کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور جن کے اعمال برے ہوں گے ان کو بائیں ہاتھ میں یا پشت کی طرف سے دیا جائے گا۔ پھر ان کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے اعمال نامے پڑھ لو۔

وزنِ اعمال

- اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصاف کی ترازو قائم کی جائے گی، جس میں اعمال کو تولا جائے گا۔

قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اور احادیث میں وزنِ اعمال کا ذکر آیا ہے، اس لیے اہل السنة والجماعة کے نزدیک وزنِ اعمال حق ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] اس عرصہ کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں: چالیس سال، چالیس ماہ، چالیس دن۔

پل صراط

- قیامت کے دن دوزخ کے اوپر ایک پل ہو گا، جس کو حدیث میں پلِ صراط کہا گیا ہے۔ تمام لوگوں کو اس پل سے گزرنا ہو گا۔ اہلِ ایمان اپنے اپنے عمل کے مطابق اس پل سے تیز یا آہستہ گذر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جو لوگ ایمان سے محروم ہوں گے وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔

اَلْاِيمَانُ بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ

80- وَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ ، لَا تَفْنَيَانِ أَبَدًا ، وَ لَا تَبِيْدَانِ. وَ أَنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ الْجَنَّةَ ، وَ النَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ ، وَ خَلَقَ لَهُمَا أَهْلًا ، فَمَنْ شَاءَ مِنْهُمْ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ فَضْلًا مِنْهُ ، وَ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ أَدْخَلَهُ النَّارَ عَدْلًا مِنْهُ ، وَ كُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا قَدْ فُرِغَ لَهُ وَصَائِرٌ إِلَى مَا خُلِقَ لَهُ.

ترجمہ: اور جنت و جہنم پیدا کی جا چکی ہیں، کبھی بھی فنا اور ختم نہیں ہوں گی۔ اور یقیناً اللہ تعالی نے جنت و جہنم کو مخلوقات کی پیدائش سے پہلے پیدا فرمایا، اور ان کے اہل (مستحق) لوگوں کو پیدا فرمایا۔ ان میں سے جن کو چاہے گا اپنے فضل سے جنت میں داخل کرے گا اور جن کو چاہے گا اپنے عدل سے جہنم میں داخل کرے گا۔ ہر انسان وہی کام کر رہا ہے جس کے لیے اس کو (زندگی کی) فرصت دی گئی ہے اور اسی طرف جانے والا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے[1]۔

اَفعَالُ العِبَادِ خَلقُ اللهِ وَكَسب مِّنَ العِبَادِ

81- وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مُقَدَّرَانِ عَلَى الْعِبَادِ.

ترجمہ: اور خیر و شر کا بندوں کے لیے (ان کی پیدائش سے بہت پہلے) فیصلہ کر دیا گیا ہے[2]۔

82- وَالِاسْتِطَاعَةُ الَّتِيْ يَجِبُ بِهَا الْفِعْلُ مِنْ نَحْوِ التَّوْفِيْقِ الَّذِيْ لَا يَجُوْزُ أَنْ يُوْصَفَ الْمَخْلُوْقُ بِهِ فَهِيَ مَعَ الْفِعْلِ ،وَأَمَّا الِاسْتِطَاعَةُ مِنْ جِهَةِ الصِّحَّةِ وَالْوُسْعِ وَالتَّمَكُّنِ وَسَلَامَةِ الْآلَاتِ فَهِيَ قَبْلَ الْفِعْلِ وَبِهَا يَتَعَلَّقُ الْخِطَابُ وَهُوَ كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:286].

---

[1] مندرجہ بالا عقیدے کی وضاحت عقیدہ نمبر 42، 19 اور 43 کے تحت گزر چکی ہے۔

[2] مندرجہ بالا عقیدے کی وضاحت عقیدہ نمبر 42، 19 اور 43 کے تحت گزر چکی ہے۔

ترجمہ: اور (طاقتیں دو ہیں: پہلی وہ) طاقت جس کے ذریعے فعل وجود میں آتا ہے، جیسے وہ توفیق جس سے مخلوق کو متصف کرنا جائز نہیں ہے، یہ (طاقت) فعل کے (وجود میں آنے) کے وقت موجود ہوتی ہے، اور (دوسری) وہ طاقت جو جسمانی صحت، وسعت، قدرت اور اسباب کی فراہمی کی صورت میں ہوتی ہے، یہ (طاقت) فعل کے وجود میں آنے سے پہلے موجود ہوتی ہے اور اسی (طاقت) کے ساتھ خطابِ باری تعالیٰ کا تعلق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت (وطاقت[1]) سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔﴾

83– وَأَفْعَالُ الْعِبَادِ خَلْقُ اللهِ وَكَسْبٌ مِنَ الْعِبَادِ.

ترجمہ: بندوں کے افعال، اللہ تعالیٰ کا خلق (مخلوق) اور بندوں کا کسب (مکسوب) ہیں۔

تشریح

- بندہ اپنے افعال کا "کاسب" (کرنے والا) ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے افعال کا "خالق" (پیدا کرنے والا) ہے۔
- کسب: اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی استطاعت وطاقت کو استعمال کرنا "کسب" کہلاتا ہے اور یہ بندے کی صفت ہے چنانچہ بندے کو "کاسب" کہا جاتا ہے۔
- خلق: اسباب موجود ہونا اور ان کو کام میں لانا فعل کے وجود میں آنے کا حقیقی ذریعہ نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس فعل کو وجود میں نہ لائے، فعل وجود میں لانا "خلق" کہلاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفت "الخالق" ہے۔
- جزا و سزا کا تعلق خلقِ افعال سے نہیں، بلکہ کسبِ افعال سے ہے، یعنی برے افعال کے کسب پر سزا اور اچھے افعال کے کسب پر جزا ملتی ہے۔

84– وَلَمْ يُكَلِّفْهُمُ اللهُ تَعَالَى إِلَّا مَا يُطِيْقُوْنَ وَ لَا يُطِيْقُوْنَ إِلَّا مَا كَلَّفَهُمْ بِهِ ، وَ هُوَ تَفْسِيرُ: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ"نَقُولُ: لَاحِيْلَةَ لِأَحَدٍ،وَلَا حَرَكَةَ لِأَحَدٍ، وَلَا تَحَوُّلَ لِأَحَدٍ عَنْ مَعْصِيَةِ اللهِ إِلَّا بِمَعُوْنَةِ اللهِ ، وَلَا قُوَّةَ لِأَحَدٍ عَلَى إِقَامَةِ طَاعَةِ اللهِ وَالثَّبَاتِ عَلَيْهَا إِلَّا بِتَوْفِيقِ اللهِ.

---

[1] اس سے مراد دوسری قسم کی طاقت ہے۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو صرف انہی کاموں کا مکلف بنایا جن کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور وہ صرف انہی کاموں کی طاقت رکھتے ہیں جن کا ان کو اللہ تعالیٰ نے مکلف بنایا۔ اور "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ" کی یہی تفسیر ہے۔ اور (ہم اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے یہ) کہتے ہیں کہ (اس کائنات میں) کسی کی کوئی تدبیر نہیں چلتی، نہ کوئی حرکت کر سکتا ہے، اور نہ اللہ کی نافرمانی سے کوئی باز رہ سکتا ہے مگر اسی کی مدد سے۔ اور نہ کسی میں اللہ کی اطاعت قائم کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی طاقت ہے مگر اسی کی توفیق سے[1]۔

85- وَكُلُّ شَيْءٍ يَجْرِي بِمَشِيئَةِ اللهِ تَعَالَى وَعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ. غَلَبَتْ مَشِيئَتُهُ الْمَشِيئَاتِ كُلَّهَا وَغَلَبَ قَضَاؤُهُ الْحِيَلَ كُلَّهَا. يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ أَبَدًا. تَقَدَّسَ عَنْ كُلِّ سُوْءٍ وَحَيْنٍ وَتَنَزَّهَ عَنْ كُلِّ عَيْبٍ وَشَيْنٍ. (لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ) [الأَنْبِيَاء: 23].

ترجمہ: اور ہر چیز اللہ کی مشیّت، اس کے علم، اس کے فیصلے اور اس کی تقدیر کے مطابق چلتی ہے۔ اس کی مشیّت تمام مشیّتوں پر غالب ہے۔ اس کا فیصلہ تمام تدبیروں اور حیلوں پر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ کبھی ظلم نہیں کرتا۔ ہر قسم کی برائی اور ہلاکت سے پاک ہے اور ہر عیب و ناگوار چیز سے منزہ ہے۔ ﴿وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہو گی﴾[2]۔

86- وَفِيْ دُعَاءِ الْأَحْيَاءِ وَصَدَقَاتِهِمْ مَنْفَعَةٌ لِلْأَمْوَاتِ.

ترجمہ: اور زندوں کی دعا اور صدقات سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

ایصالِ ثواب

- اپنے کسی نیک عمل کا ثواب مُردوں کو بخشنا "ایصالِ ثواب" کہلاتا ہے۔
- اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زندوں کی دعا اور مالی عبادات مُردوں کے حق میں مفید ہیں، ان کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔
- بدنی عبادات میں حج کے ذریعے ایصالِ ثواب پر ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے۔

---

[1] وضاحت کے لیے عقیدہ نمبر 82 دیکھ لیں۔

[2] وضاحت کے لیے عقیدہ نمبر 22، 21 اور 23 دیکھ لیں۔

حج کے علاوہ دیگر بدنی عبادات مثلاً تلاوتِ قرآن، نماز اور روزہ کے ذریعہ ایصال ثواب کے مسئلہ میں اہلُ السنۃ والجماعۃ کے درمیان اختلافِ رائے ہے، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بدنی عبادات کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب درست ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔

87– وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَسْتَجِيْبُ الدَّعَوَاتِ وَيَقْضِيْ الْحَاجَاتِ.

ترجمہ: اوراللہ تعالی دعائیں قبول کرتے ہیں اور حاجتیں پوری کرتے ہیں۔

﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [البقرة:186]

ترجمہ: جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا (اور قبول کرتا) ہوں۔

﴿قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر:60]

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

88– وَيَمْلِكُ كُلَّ شَيْءٍ وَلَا يَمْلِكُهُ شَيْءٌ وَلَا غِنَى عَنِ اللهِ تَعَالٰى طَرْفَةَ عَيْنٍ وَمَنِ اسْتَغْنَى عَنِ اللهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَقَدْ كَفَرَ وَصَارَ مِنْ أَهْلِ الْحَيْنِ.

ترجمہ: اوراللہ تعالی ہر چیز کے مالک ہیں اوراس کا کوئی مالک نہیں، اور اللہ تعالی سے پلک جھپکنے کے برابر بھی بے نیازی نہیں ہو سکتی، اور جس نے پلک جھپکنے کے برابر اللہ سے بے نیازی کی تو اس نے کفر کیا اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہوا۔

89– وَاللّٰهُ يَغْضَبُ وَيَرْضَى لَا كَأَحَدٍ مِنَ الْوَرَى.

ترجمہ: اوراللہ غصہ بھی ہوتے ہیں خوش وراضی بھی ہوتے ہیں، لیکن (اس کا غصہ اور خوشی) مخلوقات میں سے کسی کی طرح نہیں۔

حُبُّ أَصْحَابِ النبِي صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

90- وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نُفْرِطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ وَ نَرَى حُبَّهُمْ دِيْنًا وَإِيْمَانًا وَإِحْسَانًا وَبُغْضَهُمْ كُفْرًا وَ نِفَاقًا وَ طُغْيَانًا.

ترجمہ: اور ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کرتے ہیں اوران میں سے کسی کی محبت میں حد سے تجاوز نہیں کرتے اوران میں سے کسی سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔اور ہم ہر اس شخص سے نفرت کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے اور ان کا ذکر اچھائی کے علاوہ (برائی) کے ساتھ کرتا ہے۔اور ہم ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔اور ہم ان کے ساتھ محبت کرنے کو (محبت کرنے والے کے) دین ،ایمان اوراخلاص (کے صحیح ہونے کی علامت) سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض کرنے کو (بغض کرنے والے کے چھپے ہوئے) کفر،نفاق اور سرکشی (کی دلیل) سمجھتے ہیں۔

تشریح

- "صحابی": ہر وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کی ہو اور ایمان پر وفات ہوئی ہو[1]۔
- اللہ تعالیٰ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی امت سے بہترین انسانوں کو چن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت کی سعادت سے نوازا۔
- **وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ الله صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:** حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کرنا اوران کی تعظیم وتکریم کرنا واجب ہے۔
- **وَلَا نُفْرِطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ :** ہم صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت تو کرتے ہیں مگر اس محبت میں حد سے آگے نہیں بڑھتے کہ ان کو انبیاء کرام سے جا ملائیں، جیسے اہل تشیع نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انبیاء کرام کی طرح "معصوم" قرار دیا، بلکہ یہاں تک غلو کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اپنے ائمہ کو بھی "معصوم" قرار دیا۔

---

[1] الاصابہ 8/1

وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ : مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت میں خوارج واہل تشیع کے غلط عقیدے کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ خوارج حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور ان دونوں سے براءت ظاہر کرتے ہیں اور اہل تشیع اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خیر اور بھلائی کے سوابات کرنا ناجائز ہے، ان کی خوبیوں کے چرچے کرنا اور بھلائیوں کے تذکرے کرنا ایمان کی درستگی کی علامت ہے، اور برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا دل کے اندر چھپے ہوئے کفر اور نفاق کی نشانی ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم و تعظیم اور ان سے محبت کرنا واجب ہے اور ان کے آپس میں جو اختلافات اور مشاجرات پیش آئے ان کے معاملے میں سکوت کرنا اور کسی کو موردِ الزام نہ بنانا لازم ہے، عقائدِ اسلامیہ کی تمام کتابوں میں اس اجماعی عقیدہ کی تصریحات موجود ہیں"۔

آگے چل کر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الواسطیہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اہلُ السنۃ والجماعۃ سکوت اختیار کرتے ہیں ان اختلافی معاملات سے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے، اور وہ کہتے ہیں کہ جو روایات ان میں سے کسی پر عیب لگانے والی ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض تو بالکل جھوٹ ہیں اور بعض میں کانٹ چھانٹ کر کے ان کی اصل حقیقت بگاڑ دی گئی ہے اور جو کچھ صحیح ہے وہ ان میں معذور ہیں، کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ کے لیے کیا، اجتہاد سے کیا، اس اجتہاد میں یا وہ صحیح بات پر تھے تو دوہرے ثواب کے مستحق تھے، ان تمام باتوں کے ساتھ وہ اس کے معتقد نہیں کہ ہر صحابی چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہے بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہے مگر ان کے فضائل اور اسلام کی عظیم خدمات ایسی ہیں جو ان سب کی مغفرت کی مقتضی ہیں، یہاں تک کہ ان کی مغفرت و معافی اتنی وسیع ہو گی جو امت میں دوسروں کے لیے نہ ہو گی [1]۔

---

[1] معارف القرآن، سورۃ الحدید، آیت:10

اس مقام پر یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ومقام قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، ان قوی دلائل سے ثابت شدہ مرتبہ ومقام کے خلاف کوئی بات اگر تاریخ کی صحیح روایات سے ثابت ہو تو بھی قرآن وحدیث کے مقابلے میں ان کا کوئی اعتبار نہیں، چہ جائیکہ ضعیف اور جھوٹی تاریخی روایات کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کوئی نامناسب بات کہی جائے۔

91- وَنُثْبِتُ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلًا لِأَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تَفْضِيْلاً لَهُ وَتَقْدِيْماً عَلَى جَمِيْعِ الْأُمَّةِ ثُمَّ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُمُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ وَ الْأَئِمَّةُ الْمَهْدِيُّوْنَ.

ترجمہ: اور ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام امت سے افضل اور مقدم سمجھتے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے ان کی خلافت کو حق مانتے ہیں، پھر (ان کے بعد) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کی خلافت) کو، پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (کی خلافت) کو اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ (کی خلافت) کو (اسی ترتیب سے حق سمجھتے ہیں)، یہ (چاروں) خلفائے راشدین اور (امت کے) ہدایت یافتہ امام ہیں۔

تشریح

اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر "اجماع[1]" ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کئی بار ایسے ارشادات فرمائے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو ذہن بنایا تھا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیتِ خلافت لکھنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس یقین کی بنیاد پر کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُمتِ محمدیہ کے مجتہدین کا کسی بھی زمانے میں کسی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا "اجماع" کہلاتا ہے۔

اچھی طرح سمجھ چکے ہیں وصیت لکھنے کا ارادہ ترک فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''يَأْبَى اللهُ وَالْمُسْلِمُوْنَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ،،

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ اور مسلمان ابو بکر کے علاوہ کسی اور (کی خلافت) پر راضی نہ ہوں گے[1]۔

اس بنیادی اور اصولی بات کے بعد ذیل میں حضور ﷺ کے ارشادات میں سے چند کو درج کیا جاتا ہے جن کے ذریعے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی وفات کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار کیا تھا:

1- حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں (اپنے کسی کام کے لیے) حاضر ہوئی، حضور ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ وہ بعد میں آجائے، اس خاتون نے کہا: اگر میں آؤں اور آپ ﷺ کو نہ پاؤں تو؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس خاتون کا مقصد شاید یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ وفات فرما چکے ہوں تو اس وقت میں کیا کروں، حضور ﷺ نے (اس کے جواب میں فرمایا): اگر مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے مل لو[2]:

2- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی پیروی کرو[3]۔

3- آپ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات کے دوران فرمایا: مُرُوْا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ[4]

ترجمہ: ابو بکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

یہ فرمانا در حقیقت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا باقاعدہ اعلان تھا۔

4- حضور ﷺ نے منبر پر اعلان فرمایا:

''اگر میں زمین پر بسنے والوں میں سے کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا، (لوگوں کے گھروں

---

[1] البخاری: ۷۲۶۳ و مسلم: ۶۱۳۷

[2] البخاری: ۷۶۳

[3] البخاری: ۴۶۶، الترمذی: ۲۶۶۳، ۳۶۶۳، اس کے علاوہ احمد، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

[4] البخاری: ۴۶۶

سے مسجد کی طرف کھلنے والے) تمام دریچے بند کر دو سوائے ابو بکر کے دریچے کے ۔"[1]

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) خلافت کے اعلان کے مترادف ہے کہ اس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اب اس مسجد کے ساتھ انتظامی تعلق صرف ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا ہوگا، وہ اس مسجد کے امام اور مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے۔

- یہاں اختصار کے پیشِ نظر مندرجہ بالا چند روایات پر اکتفا کیا گیا، وگرنہ احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی کئی صحیح روایات موجود ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور حضور ﷺ کے بعد مستحقِ خلافت ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔
- اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری تفویض کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تائید کی۔
- اہلُ السنۃ والجماعۃ چونکہ حضور ﷺ کی سنت کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو بھی دلیل سمجھتے ہیں اس لیے ان کے اتفاق کی بنیاد پر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرا خلیفہ راشد سمجھتے ہیں۔
- حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں بہترین انسان کون تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تم یہ نہیں جانتے؟ حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں افضل ترین انسان کون تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ ۔[2]

---

[1] مسلم: ۳۸۳۲

[2] البخاری: ۱۷۶۳

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھاتے ہوئے قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کردیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان چند حضرات کے سوا کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک راضی تھے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی اور ان سے فرمایا کہ اس کمیٹی کے کسی رکن پر اتفاق کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلو، اپنے بیٹے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی مشورے میں شریک کرنے کے لیے کہا، مگر ساتھ ہی یہ شرط لگادی کہ ان کو خلیفہ نہ بنایا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ رضی اللہ عنہ کو دفنا چکے تو خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے تشکیل شدہ کمیٹی نے اپنا کام شروع کردیا۔ ان حضرات نے طویل مشوروں کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی، اس کے بعد عام مہاجرین وانصار نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

- اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی۔
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان چاروں کو "خلفائے راشدین" کہتے ہیں۔

92- وَأَنَّ الْعَشَرَةَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَشَّرَهُمْ بِالْجَنَّةِ نَشْهَدُ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ عَلَى مَا شَهِدَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَ هُمْ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَ الزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَسَعِيْدٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَهُوَ أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ.

ترجمہ: اور وہ دس (صحابہ) جن کے نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی خوشخبری دی ہے، ہم (ان کے بارے میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کی بنیاد پر ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بات حق ہے، اور وہ دس صحابہ: ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبد الرحمٰن بن عوف، ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہم) ہیں، اور وہ (ابو عبیدہ بن جراح) اس امّت کے امین ہیں۔ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ۔

تشریح

- اوپر جن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، اسی لیے ان کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے [1]۔
- "سَعْد" سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور "سَعِيْد" سے مراد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

93- وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلَ فِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّاتِهِ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ.

ترجمہ: اور جس کسی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (رضی اللہ عنہم)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (رضی اللہ عنہن) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں بھلی بات کہی وہ نفاق سے بری ہو گیا۔

تشریح

- اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات اور اولاد (رضی اللہ عنہم) کا ذکر خیر ہی سے کیا جائے، ان کا احترام کیا جائے اور ان سے محبت کی جائے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وازواج اور اولاد کا خیر کے ساتھ ذکر کرنے کو نفاق سے بری ہونا قرار دیا ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، ازواج اور اولاد کے خلاف منظم پروپیگنڈا کیا، انہوں نے در حقیقت اسلام کی عمارت کو ڈھانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلانے کی خاطر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا تھا۔
- جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور اولاد کے بارے میں بری زبان استعمال کرتا ہے وہ در حقیقت دورِ اول کے منافقین کے پیچھے چلنے والا ہے۔

---

[1] الترمذی: ۳۷۴۸ وابوداؤد: ۴۶۴۹

94- وَعُلَمَاءُ السَّلَفِ مِنَ السَّابِقِينَ وَ التَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالْأَثَرِ وَأَهْلِ الْفِقْهِ وَالنَّظَرِ لَا يُذْكَرُوْنَ إِلَّا بِالْجَمِيْلِ، وَمَنْ ذَكَرَهُمْ بِسُوْءٍ فَهُوَ عَلَى غَيْرِ السَّبِيْلِ.

ترجمہ: اور صحابہ و تابعین میں سے اہلِ علم، اور ان کے بعد کے اہلِ خیر، محدثین، فقہاء اور مجتہدین (سب) کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہی کیا جانا چاہئے اور جو کوئی ان کا ذکر برائی کے ساتھ کرے وہ (مسلمانوں کے) طریقے پر نہیں۔

تشریح

- "اَلسَّابِقِيْن" سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔
- "اَلتَّابِعِيْن" سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو دیکھا ہو اور ایمان پر وفات ہوئی ہو۔
- "أَهْل الْخَيْر" سے مراد عام اہلِ علم ہیں۔
- "أَهْل الْأَثَر" سے مراد احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ماہر علماء ہیں۔
- "أَهْل الْفِقْهِ" سے مراد ماہرینِ علمِ فقہ ہیں۔
- "أَهْل النَّظَرِ" سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں۔
- مذکورہ بالا عبارت میں علمائے امّت کی فضیلت کا بیان ہے، کہ ان کا احترام اور ذکرِ خیر واجب ہے اور ان کی بے ادبی کرنا، برائی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا اور ان کی توہین کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ کسی عام مسلمان کے برے تذکرے کی اجازت نہیں دیتی تو علماء کے بارے میں برے الفاظ کہنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ [المجادلۃ:11]

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عالم کے لیے آسمان وزمین کی ہر مخلوق حتی کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی فضیلت چاند کو ستاروں پر حاصل ہے [1]۔

---

[1] ترمذی وابو داؤد

شیطان، لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کر کے علمائے کرام کے ساتھ بغض اور نفرت کرنے پر آمادہ کرتا ہے، وہ ان کو علماء کی چھوٹی موٹی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان سے متنفر کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو شیطان کے اس دھوکے سے بچنے کے لیے یہ سوچنا چاہئے کہ علماء بھی انسان ہیں، نیز ان کی خوبیوں اور برائیوں کا موازنہ اگر کرنا ہے تو عام لوگوں سے کریں، نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے، جب لوگ یہ سوچ اپنائیں گے تو انہیں علمائے دین ہی اپنے زمانے میں سب سے زیادہ نیک لوگ نظر آئیں گے، اور اس طرح وہ شیطان کے دھوکے سے بچ جائیں گے۔

اَلْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ

95– وَلَا نُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْأَوْلِيَاءِ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ، وَنَقُولُ: نَبِيٌّ وَاحِدٌ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْأَوْلِيَاءِ.

ترجمہ: اور ہم کسی ولی کو کسی نبی سے افضل نہیں سمجھتے اور ہم (اللہ کی توفیق سے پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے) کہتے ہیں کہ ایک نبی تمام ولیوں سے افضل ہے۔

تشریح

”ولی“ ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات کو پہچانتا ہو، پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو، گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، لذات اور خواہشات میں منہمک نہ رہتا ہو[1]۔

مندرجہ بالا عبارت میں اہلِ تشیّع پر رد ہے جو اپنے ائمہ کو انبیاء کرام کے درجے سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔

96– وَنُؤْمِنُ بِمَا جَاءَ مِنْ كَرَامَاتِهِمْ وَصَحَّ عَنِ الثِّقَاتِ مِنْ رِّوَايَاتِهِمْ.

ترجمہ: اور ہم اِن (اولیاء) کی اُن کرامات (کے صحیح ہونے) پر یقین رکھتے ہیں جو قابلِ اعتبار راویوں سے منقول اور صحیح طور پر ثابت ہیں۔

---

[1] اَلْوَلِيُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللهِ وَصِفَاتِهِ ، الْمُوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ ، الْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِيْ وَ الْمُعْرِضُ عَنِ الِانْهِمَاكِ فِي اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ. كشاف اصطلاحات الفنون، بتغيير-

تشریح

مُعجزہ: کسی پیغمبر کے ذریعے اگر کوئی ایسا کام ہو جو عام حالات میں کسی عام آدمی سے نہیں ہو سکتا تو ایسے کام کو "معجزہ" کہتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا کا سانپ بن جانا، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔

"معجزہ" کا لفظ "عجز" سے لیا گیا ہے، اس کے معنیٰ ہیں عاجز کرنے والی چیز، چونکہ عام انسان اس قسم کا غیر معمولی کام کرنے سے عاجز ہوتے ہیں اس لیے اس کو "معجزہ" کہتے ہیں۔

کرامت: اگر ایسا کوئی غیر معمولی کام پیغمبر کے علاوہ کسی نیک آدمی کے ذریعے ہو تو اسے "کرامت" کہتے ہیں۔

استدراج: اگر ایسا کوئی غیر معمولی کام کسی ایسے آدمی کے ذریعے ہو جو شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو "استدراج" کہتے ہیں، جو ایک معیوب چیز ہے۔

- اہلُ السنۃ والجماعۃ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے کرامتیں ظاہر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

اَلْإِيْمَانُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ

97- وَ نُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوجِ الدَّجَّالِ وَ نُزُوْلِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَ نُؤْمِنُ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجِ دَابَّةِ الْأَرْضِ مِنْ مَّوْضِعِهَا وَ يَأْجُوْجَ وَ مَأْجُوْجَ و سَائِرِ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلَى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ.

ترجمہ: اور ہم قیامت (قریب ہونے) کی نشانیوں (مثلاً) دَجّال کے ظہور، حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام کے آسمان سے (زمین پر) اترنے پر ایمان رکھتے ہیں اور (اسی طرح) ہم (قیامت کی دوسری بڑی نشانیوں مثلاً) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے پر، دابۃ الارض کے اپنی جگہ سے نکلنے پر اور یاجوج وماجوج (کے نکلنے پر) اور (ان کے علاوہ) باقی علاماتِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں جن کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔

تشریح

- قیامت کا آنا یقینی ہے، لیکن قیامت کب آئے گی، اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ البتہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہونے والی علامات بتا کر اُمّت کو قربِ قیامت سے آگاہ فرمایا ہے۔

علاماتِ قیامت

قیامت کی علامات تین قسم کی ہیں:

1 علاماتِ بعیدہ   2 علاماتِ متوسطہ   3 علاماتِ قریبہ

علاماتِ بعیدہ

- قیامت کی علامات بعیدہ وہ ہیں جو کافی پہلے ظاہر ہو چکی ہیں۔ ان کو بعیدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان علامات اور قیامت کے درمیان نسبتاً زیادہ فاصلہ ہے۔ مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، شق القمر کا واقعہ وغیرہ۔

علاماتِ متوسطہ:

- قیامت کی علامات متوسطہ وہ ہیں جو ظاہر تو ہو گئی ہیں مگر ابھی انتہاء کو نہیں پہنچیں۔ ان میں آئے دِن اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا یہاں تک کہ تیسری قسم کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں۔ ان علامات کی فہرست بہت طویل ہے۔

علاماتِ قریبہ:

- قیامت کی علامات قریبہ وہ ہیں جو قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی۔ یہ بڑے بڑے عالم گیر واقعات ہوں گے۔ اسی لیے ان کو علاماتِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، جیسے: ظہورِ مہدی رضی اللہ عنہ، ظہورِ دجّال، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ۔

بعض علاماتِ قیامت کی مختصر تشریح

ظہورِ مہدی رضی اللہ عنہ:

- قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ قیامت کے قریب حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ظاہر ہوں گے، آپ رضی اللہ عنہ کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے زمانہ سے کچھ پہلے ہو گا۔
- آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (اور اولاد) میں سے ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام "محمد بن عبد اللہ" اور آپ کی والدہ کا نام "آمنہ" ہو گا۔
- آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے، پھر مکہ تشریف لائیں گے تو لوگ ان کو پہچان کر "مقامِ ابراہیم" اور

"حجرِ اسود" کے درمیان بیعت کریں گے اور اپنا امیر بنائیں گے۔

- وہ خلیفہ ہونے کے بعد روئے زمین کو عمل اور انصاف سے بھر دیں گے۔
- وہ ملک شام جاکر دجال کے لشکر سے جہاد و قتال کریں گے، اس وقت دجال کے ساتھ ستر ہزار یہودیوں کا لشکر ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام انھیں کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

خروجِ دجّال:

- قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ قیامت کے قریب جب مسلمان روم کو فتح کریں گے تو ابھی اسلامی لشکر مکمل طور پر فارغ نہیں ہوا ہوگا کہ دجّال کے ظہور کی خبر پھیل جائے گی اور مسلمان روم سے دمشق واپس آئیں گے اور دجّال کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہونگے۔
- فتنۂ دجّال اتنا سخت ہوگا کہ تاریخ انسانی میں اس سے بڑا فتنہ نہ کبھی ہوا، نہ آئندہ ہوگا۔ اسی لیے تمام انبیاءِ کرام اپنی اپنی اُمّتوں کو اس سے خبر دار کرتے رہے۔ اور اس کی سب سے زیادہ تفصیلات حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بتائی ہیں۔
- دجّال پہلے نبوت کا اور اس کے بعد خدائی کا دعوی کرے گا۔ اس کے ساتھ غذا کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا، زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو وہ باہر نکل کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔
- اس کا فتنہ چالیس روز رہے گا، جن میں سے ایک دن سال کے برابر، ایک دن ایک ماہ کے برابر، ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی ایام حسبِ معمول ہوں گے۔
- دجال آخر کار "بابِ لد" نامی مقام پر حضرت عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں قتل ہوگا۔

نزولِ عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

- آخری زمانہ میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوگا، ان کے ظہور کے سات سال بعد دَجّال نکلے گا، اس کے بعد اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے نازل ہوں گے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول دمشق میں عین اس وقت ہوگا، جب کہ نمازِ فجر کی اقامت ہوچکی ہوگی، جامع دمشق کے شرقی منارہ کے پاس نزول فرمائیں گے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دونوں ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، ان کی تشریف آوری پر امام مہدی رضی اللہ عنہ (جو مصلے پر جاچکے ہوں گے)

پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان سے امامت کی درخواست کریں گے، مگر آپ علیہ السلام امام مہدی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمائیں گے کہ نماز پڑھائیں کیونکہ اس نماز کی اقامت آپ کے لیے ہوئی ہے۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے مقاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت سے بیان فرما دیے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام ملتوں کو ختم کر دیں گے۔ روئے زمین پر امن وامان کا دور دورہ ہو گا، شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس برس ٹھہریں گے، پھر ان کی وفات ہو جائے گی، مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور ان کو دفن کر دیں گے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

- سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا قربِ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ جب یہ نشانی ظاہر ہو گی تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، متعدد احادیث میں اس نشانی کا ذکر آیا ہے اور تمام علمائے امت کا اس پر اجماع ہے۔

خروجِ دابہ:

- قیامت کی ایک نشانی دابۃ الارض کا ظہور ہے۔ یہ ایک عجیب الخلقت جانور ہو گا، قرآن وحدیث سے بس اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے قریب یہ جانور زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے باتیں کرے گا۔

یاجوج وماجوج:

- قرآن وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں اور عام انسانوں کی طرح نوح (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی نص صریح ہے، ﴿وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ [الصافات: 77] یعنی طوفانِ نوح (علیہ السلام) کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہوں گے۔ جمہور محدثین ومؤرخین ان کو یافث ابن نوح (علیہ السلام) کی اولاد قرار دیتے ہیں، ان کے نکلنے کا وقت دجّال کے قتل کے بعد ہو گا۔

98- وَلَا نُصَدِّقُ كَاهِنًا وَلَا عَرَّافًا وَلَا مَنْ يَدَّعِيْ شَيْئًا يُخَالِفُ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَإِجْمَاعَ الْأُمَّةِ.

ترجمہ: اور ہم کسی کاہن اور نجومی کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ ایسے شخص کی (تصدیق کرتے ہیں) جو کسی ایسی بات کادعویٰ کرے جو (اللہ کی) کتاب، سنت اور امت کے اجماع کے خلاف ہو۔

تشریح

- کاہن: وہ شخص ہے جو غیب کی باتیں جاننے کادعویٰ کرے[1]۔
- عراف: مستقبل کے احوال کی خبر دینے والا، یاچوری کی ہوئی اور گم شدہ چیز کی جگہ بتانے والا[2]۔
- نجومیوں اور فال وغیرہ کے ذریعے غیب کی باتیں جاننے کادعویٰ کرنے والوں کے پاس غیب کی باتیں معلوم کرنے کے لیے جانااور ان کو سچا سمجھنابہت بڑاگناہ ہے، جیساکہ حضور ﷺ کاارشاد ہے:

"جو شخص کسی نجومی کے پاس گیااور اس سے (غیب کی) کسی چیز کے بارے میں پوچھاتواس کی چالیس (دن) رات کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی[3]"۔

99- وَنَرَى الْجَمَاعَةَ حَقًّا وَصَوَابًا وَالْفُرْقَةَ زَيْغًا وَعَذَابًا.

ترجمہ: اور ہم (اہلِ حق کی) جماعت (کے ساتھ وابستہ رہنے) کو حق اور درست سمجھتے ہیں، اور (ان سے) الگ ہونے کو (دنیامیں) گمراہی اور (آخرت میں) عذاب (کاذریعہ) سمجھتے ہیں۔

تشریح

- "جماعت" کی وضاحت ایک حدیث میں حضور ﷺ نے یوں ارشاد فرمائی ہے:

میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی جو سب کے سب (جہنم کی) آگ میں جائیں گے سوائے ایک مخصوص جماعت کے۔ آپ ﷺ سے پوچھاگیاکہ وہ جماعت کونسی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جوان طریقوں پر عمل کریں گے جن پر میرے اصحاب (کاعمل) ہے[4]۔

---

1. معجم ألفاظ العقيدة:340
2. تاج العروس :139/24
3. صحيح مسلم
4. الترمذي:2641

اس حدیث سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ اہلِ حق صرف "اہلُ السنۃ والجماعۃ" ہیں، لہٰذا اہلُ السنۃ والجماعۃ کے عقائد واعمال کو اپنانا دنیامیں حق پر ہونے اور آخرت میں نجات پانے کا ذریعہ ہے، جب کہ ان سے الگ ہونا دنیامیں گمراہی اور آخرت میں عذاب کا ذریعہ ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ

100– وَدِينُ اللهِ فِي السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ وَاحِدٌ وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ كما قَالَ الله تَعَالَى:﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آلِ عِمْرَانَ: 19] وَ قَالَ تَعَالَى:﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ [آلِ عِمْرَانَ: 85] وَ قَالَ تَعَالَى: ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنا﴾ [المائدة: 3].

ترجمہ: اور اللہ کا دین آسمان وزمین میں ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا﴾۔

101– وَهُوَ بَيْنَ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ وَبَيْنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّعْطِيْلِ وَبَيْنَ الْجَبْرِ وَالْقَدَرِ وَبَيْنَ الْأَمْنِ وَالْيَأْسِ.

ترجمہ: اور یہ دینِ اسلام افراط و تفریط، تشبیہ و تعطیل، جبر و قدر اور بے خوفی و ناامیدی کے درمیان ہے۔

تشریح

اَلتَّشْبِيْه: خالق کو ذات وصفات میں مخلوق کے مشابہ قرار دینا۔

اَلتَّعْطِيْل: اللہ کی صفات کی نفی کرنا۔

اَلْجَبْر: انسان کو جمادات کی طرح مجبورِ محض سمجھنا۔

اَلْقَدَر: انسان کو قادرِ مطلق سمجھنا۔

اَلخَاتِمَةُ

102- فَهٰذَا دِيْنُنَا وَاعْتِقَادُنَا ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَنَحْنُ بُرَآءُ إِلَى اللهِ مِنْ كُلِّ مَنْ خَالَفَ الَّذِيْ ذَكَرْنَاهُ وَبَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: یہ (جو ماقبل میں ذکر ہوا) ہمارا دین ہے اور ظاہر (قول) و باطن (دل) میں یہی ہمارا عقیدہ ہے اور ہم ہر اس شخص سے اللہ تعالی کے سامنے براءت و بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جو ان عقائد کی مخالفت کرتا ہے جن (عقائد) کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَنَسْأَلُ اللهَ تَعَالَى أَنْ يُثَبِّتَنَا عَلَى الْإِيْمَانِ وَيَخْتِمَ لَنَا بِهِ وَيَعْصِمَنَا مِنَ الْأَهْوَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْآرَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَالْمَذَاهِبِ الرَّدِيَّةِ مِثْلِ الْمُشَبِّهَةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَهمِيَّةِ وَالْجَبرِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ مِّنَ الَّذِيْنَ خَالَفُوْا السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ وَحَالَفُوْا الضَّلَالَةَ وَنَحْنُ مِنْهُمْ بُرَآءُ وَهُمْ عِنْدَنَا ضُلَّالٌ وَأَرْدِيَاءُ وَبِاللهِ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ.

ترجمہ: اور ہم اللہ تعالی سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے، ہمیں مختلف خواہشات، متفرق آراء اور ردی (باطل) مذاہب، جیسے مشبہہ، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ، قدریہ (کے مذاہب) اور ان کے علاوہ دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اہلُ السنۃ والجماعۃ کی مخالفت کی اور گمراہی کا ساتھ دیا، سے بچائے۔ ہم ان سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، یہ سب ہمارے نزدیک گمراہ اور بے وقعت لوگ ہیں اور عصمت و توفیق اللہ ہی کے ذریعے سے ہیں۔

فرقوں کا مختصر تعارف

القدرية: یہ فرقہ تقدیر کا منکر ہے۔

اس کا عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ و قدرت میں آزاد ہے، اپنے ارادہ و قدرت سے اپنے اعمال انجام دیتا ہے، اس کے ارادہ، اختیار، قدرت اور اس کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تخلیق کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

الجبرية: یہ فرقہ انسان کو جمادات کی طرح مجبور محض مانتا ہے۔

ان کا دعوی ہے کہ بندہ کو اپنے افعال پر کوئی قدرت واختیار نہیں، بلکہ اس کا ہر عمل محض اللہ تعالیٰ کی

تقدیر، علم، ارادے اور قدرت سے ہوتا ہے، جس میں اس کے ارادے اور مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

المشبهة: یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے۔

المعتزلة: یہ ایک عقلیت پسند فرقہ ہے۔

ان کے نزدیک قرآن مخلوق ہے ، گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے، ان لوگوں نے عقل کو نقل پر ترجیح دی ہے، شریعت کا جو حکم ان کی عقل میں نہ آئے اس کا انکار یا تاویل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد سے الگ ہو جانے کی بنا پر ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے۔

الجهمية: یہ جہم بن صفوان کے ساتھی ہیں۔

ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے، نہ اس میں قدرت پائی جاتی ہے نہ ارادہ واختیار۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو جبراً گناہوں پر لگا رکھا ہے۔

ایمان کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے، جو یہودی نبی کریم ﷺ کے اوصاف سے باخبر ہیں وہ مومن ہیں۔ یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف نہیں کیا جا سکتا جن کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کرنا توحید ہے۔ جنت و دوزخ میں لوگوں کو داخل کر کے فنا کر دیا جائے گا اس کے بعد فقط اللہ کی ذات باقی رہے گی۔

تمت بالخير

مصنف رحمہ اللہ کی دیگر تصانیف

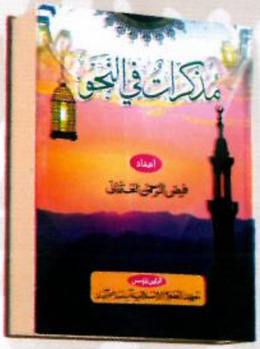

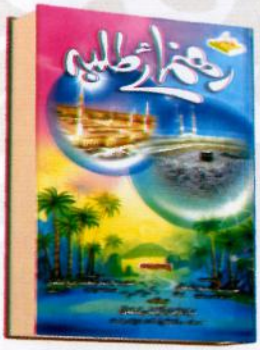

ناشر: ادارہ علوم اسلامی اسلام آباد

www.iisi.edu.pk /iisislamabad +92 300 5141070

0417-4389234